ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ندائے اعتدال

موجودہ عہد کی پریشانی

’’یہ عام ضمیر اور دین فروشی کا دور ہے، بڑے بڑے فاضل اور صاحب قلم ہیں، جن کی ذہانت، اور جن کے مطالعہ کے سامنے ہماری کوئی حیثیت نہیں، لیکن ضمیر کے نام کی کوئی چیز ان کے یہاں پائی نہیں جاتی، ان کے دماغ کی جگہ پر دماغ ہے، اور دل کی جگہ پر بھی دماغ ہی ہے، بلکہ ان کے پہلو میں ایک دھڑکتے ہوئے دل کے بجائے ایک رواں دواں قلم رکھا ہوا ہے، جو سب کچھ لکھ سکتا ہے، جس کے یہاں آخرت کی جوابدہی، اور ضمیر کی ملامت اور سرزنش کا کوئی سوال نہیں، ان میں زمانہ کے ساتھ بدلنے، اور اس کے مطالبوں کی ترجمانی کرنے کی غیر محدود صلاحیت ہے۔‘‘

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

مئی ۲۰۱۵ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	ہدایت کا ذریعہ صرف انبیاء ومرسلین ہیں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	
۲۔	اداریہ	فکری زاویے	مدیر	۳
۳۔	گوشۂ سیرت	اسلام میں عورت کی حیثیت (قسط-۱۵)	تحریر: مسٹر اڈیار، مترجم: ایم، اے جمیل احمد	۱۹
۴۔	خاص تحریر	حرمین کا پیغام خادم الحرمین کے نام	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۲۱
۵۔	بحث و تحقیق	خبر آحاد اور منکرین حدیث	تحریر: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، ترجمانی: فرید حبیب ندوی	۲۵
۶۔	فقہی مباحث	اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ اور حکم شریعت (قسط-۱)	محمد قمر الزماں ندوی	۳۲
۷۔	تصویر وطن	ہم کبھی کثرت وقلت پر بھروسہ نہیں کرتے	مولانا ندیم احمد انصاری	۳۸
۸۔	اسلامی تعلیمات	سودخوری ایک عظیم جرم ہے	حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۴۱
۹۔	ذکر معراج	ماہ رجب اور واقعۂ معراج النبیؐ	محمد نجیب قاسمی سنبھلی	۴۴
۱۰۔	اسوۂ زندگی	حضرت یوسفؑ کی زندگی کے روشن پہلو	محمد انس فلاحی سنبھلی	۵۰
۱۱۔	زبان و ادب	اردو کی ترقی میں دینی مدارس کا کردار	ڈاکٹر عبید اقبال عاصم	۵۴
۱۲۔	تعارف و تبصرہ	صید القلم	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۶۲
۱۳۔	آخری صفحہ	آخر وہ شخصیت کیسی رہی ہوگی۔	م۔ق۔ن	۶۴
۱۴۔	شعروادب	اہل قلم کیا ہیں	شورش کاشمیری	

❁❁❁

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہو سکتی ہے۔

ادار یہ

فکری زاویے

امت مسلمہ کا فکری بحران

آج کل علی گڑھ میں ''امت مسلمہ کے فکری بحران'' کا بڑا غلغلہ ہے، ''مجدد مابعد جدیدیت'' کی آمد آمد ہے، متحدہ اسلام کے منشور تیار کیے جارہے ہیں، برسوں سے نئے اسلام کو پیش کرنے کی تیاری کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جارہی ہے، تفکر وتدبر کے نام پر وہ طوفان برپا کیا جارہا ہے جو تاریخ اسلام میں وقتاً فوقتاً کبھی مستشرقین اور کبھی ان کے تتبع میں ایمان وضمیر کا سودا کرنے والے اہل قرآن ومنکرین حدیث کرتے رہے ہیں، سطحی علم رکھنے والوں کے لئے دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں ___ یہ سمجھنا بھی مشکل ہوتا ہے کہ ڈھول کا پول کھل ہی جاتا ہے ___ لیکن تھوڑا سا وقت لگتا ہے، ''امت مسلمہ کا فکری بحران اور روایتی طرز فکر کا محاکمہ'' کے عنوان سے کانفرنس برپا ہوئی، اس کو 1st High Profile کا نام دیا گیا جو کہ خود پروپیگنڈہ کا ایک جزء تھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعی پہلی اعلیٰ سطح کی کانفرنس تھی مگر فکری بحران کو دور کرنے کے لئے نہیں، خدمت اسلام کے لئے نہیں بلکہ امت مسلمہ کا سررشتہ قرآن وحدیث سے منقطع کرنے کے لئے، اسلام کی حدود وقیود سے انہیں آزاد کرنے کے لئے، تفردات وشذوذ سے متعارف کرانے کے لئے، فتنہ انکار حدیث کو نئے نئے خوبصورت عنوانات دینے کے لئے، امت کو محدثین وفقہاء کی جانفشانیوں اور خدمات جلیلہ کو بے کار وروایتی اور سبب اختلاف قرار دے کر مسترد کرنے کی دعوت دینے کے لئے، مغرب کے تشکیکی مزاج اور مستشرقین کے اعتراضات کو دوہرانے کے لئے، اس کے داعی اور ان کے جیسے افکار کے حاملین کی تعریف میں بہت پہلے شورش کاشمیری نے کہا ہے:

ہم اہل قلم کیا ہیں
الفاظ کا جھگڑا ہیں، بے جوڑ سراپا ہیں
بجتا ہوا ڈنکا ہیں، ہر دیگ کا چمچا ہیں
تابع ہیں وزیروں کے، خادم ہیں امیروں کے
قاتل ہیں اسیروں کے، دشمن ہیں فقیروں کے

حقیقت یہ ہے کہ:

Really this Conference was 1st High profile conference but not for reconstruction of Islam, it was only to demolish the pillers of islam and disturb the such Islamic sprit of youth.

بے چارے سادہ لوح لوگ اور اسلام کو نماز وروزہ تک محدود سمجھنے والے طلبہ نیز ایسے طلبہ جو اسلامیات کا سرسری مطالعہ بھی رکھتے ہیں، وہ اس تجدیدی فکر پر نازاں وفرحاں ہیں، بڑی شان سے تحلیل وتجزیہ کے داعی تحلیل وتجزیہ سے ماوراء محو بیاں ہیں کہ حضرت وائس چانسلر نے کانفرنس کے منتظم کو "Original Thinker" ''حقیقی مفکر'' تسلیم کیا ہے، ذرا سوچیے اس لقب سے نوازنے والے کا علمی معیار کیا ہے، اسلامیات کی کتنی شدبد ہے، تفکیر وتدبیر کی ممکن ہے اعلیٰ صلاحیت ہو لیکن کیا اس کی بنا پر مصادر شریعت اور تدبر قرآن کی دنیا میں سیر کرکے اس طرح کے القاب سے ملقب کرنے کے وہ مجاز ہیں، وہی سادہ لوح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ____ وائس چانسلر ہیں ____ ہاں بجا ہے کہ وائس چانسلر ہیں ____ اس ملک کے وزیر اعظم بھی بہت پڑھے ____ ملک کی وزیر تعلیم ____ ہاں سب سے باوقار وزارت کی وزیر ____ کتنی پڑھی لکھی ہے ____ کیا مناصب کے حصول کے لئے تعلیم ضروری ہے، اقبال کہتے ہیں۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

کیا علی گڑھ کے وہ باحمیت اور دینی وملی غیرت سے معمور افراد وائس چانسلر صاحب سے پوچھنے کی زحمت گوارہ کریں گے ، کہ آپ پر کون سا دباؤ (Pressure) تھا جس کے سبب اتنی دیر تک اور مختلف اوقات میں آپ اس کانفرنس میں موجود رہے، آخر CEPECAMI کا بجٹ آپ نے کتنا بڑھا دیا، ظاہر ہے کہ جس طرح لنگر چلا، اس طرح کی مالی امداد کسی کانفرنس کے لئے UGC نہیں دیتی، پھر آخر یونیورسٹی کی کون سی مد استعمال کی گئی، اگر آپ نے نہیں کیا تو پھر کنوینر صاحب کہاں سے لائے ____ ظاہر ہے کہ ان کے تعلقات ہیں ____ ان کی کتابوں کی طباعت، ان کی مفت تقسیم ____ اور جانے کیا کیا ____ ان کے وسیع تعلقات کی شاہد ہے جن کو وہ اپنی تقرری کے بعد زندہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر یونیورسٹی کی دنیا تہہ وبالا کرنے والے اور ملی غیرت کا ثبوت دینے والے کیا اس جانب توجہ فرمائیں گے، کہ جمہور کی رائے کے مقابلہ ایک شخص کے نظریات و تفردات کو یونیورسٹی کے پلیٹ فارم سے عام کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ____ کیا بانی ادارہ نے ایسا کیا تھا، کیا انہوں نے یونیورسٹی کے کسی شعبہ اور کسی شعبہ کے طلبہ کو اپنا ہمنوا بنانے اور ان پر اپنے تفردات تھوپنے کی کوشش کی تھی ____ ہر گز نہیں ____ ان کے سامنے واقعی بحران تھا ____ وہ بحران کا حل تلاش کر رہے تھے ____ اسی لیے انہوں نے یونیورسٹی کو اسلام کا پابند کیا، انفرادی نظریات کا نہیں، آخر یہ اہل غیرت کب سوال کریں گے جب مرض متعدی ہو جائے گا، راقم کا یہی سوال ان اہل قلم سے بھی ہے جو کانفرنسز اور سیمیناروں میں پیش پیش رہتے ہیں کہ آخر انہوں نے اسلام میں اصلاح کرنے والوں کی اصلاح کا بروقت بیڑا کیوں نہیں اٹھایا، ہر ہوا گزر جاتی ہے ____ اس فتنہ کی ہوا کا بھی یہی انجام ہوگا ____ مگر ہوا کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بغیر کچھ لوگوں کو متاثر کیے نہیں گزرتی، جو لوگ فکری ارتداد کا شکار ہوں گے ان کا ذمہ دار کون ہوگا، مسندوں کی زینت بننے کا شوق، سربراہی کی دوڑ، مناصب کا حصول، دولت کی ہوس یا آخر کون سی مصلحت پسندی ہے جو اب تک اس بات سے روکے ہوئے ہے کہ ان افکار کی تردید

نہیں کی گئی جن کی بنیاد پریشاں خیالی پر ہے، جو مستفاد ہیں مستشرقین کی موشگافیوں اور اہل قرآن ومنکرین حدیث کی مذموم کوششوں سے ___ جن افکار کو پیش کرنے والے مفکر کی کچھ عبارتیں بھی گمراہ زمانہ ''پرویز'' کی عبارتوں سے کہیں کہیں ملتی جلتی ہیں، قلم دیا گیا ہے تو اس کا حساب بھی لیا جائے گا احصاہ اللہ ونسوہ (سورہ مجادلہ ۶) (ترجمہ: جس کو اللہ نے رکارڈ کر رکھا ہے اور وہ بھول چکے ہوں گے) اس کے شمار میں سب ہے کہ قلم سے کتنے مقالے حصول زر کے لئے نکلے، کتنے حصول منصب کے لئے نکلے، کتنے تسکین نفس کی خاطر لکھے گئے اور کتنے جہاد قلم کی نیت سے اور تحفظ دین کی غرض سے لکھے گئے، یہاں تو میرٹ بنتی رہتی ہے ___ اور یہ عارضی میرٹ ہے ___ احصاہ اللہ کی میرٹ اس سے بہت ممتاز ہونی چاہیے، وہ دائمی بھی ہے اور خبیر وعلیم، سمیع وبصیر کی محفوظ میرٹ ہے، حیرت ہے کہ مقاصد سب پر واضح تھے، لوگ سب اس سے واقف تھے، لیکن مصلحتوں نے قلم کو بیڑیاں ڈال دیں اور کسی کی رگِ غیرت نہ پھڑکی، کسی کے جوشِ قلم میں ابال نہ آیا۔ علماء پر یہ بات واجب تھی کیوں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتب لتبيننه للناس ولا تكتمونه، فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا، فبئس ما يشترون (آل عمران ۱۸۷) (ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ تم کتاب الٰہی کو صاف طور پر لوگوں کے سامنے پیش کروگے اور اس مین کتمان واخفا سے کام نہ لوگے، لیکن انہوں نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کو سودے بازی کا اور دنیا کی حقیر قیمتوں کے حصول کا ذریعہ بنالیا۔ بڑی بدترین خریداری یہ کر رہے ہیں) اور ایسا نہ کرنے پر انہیں اللہ کی رحمت سے دوری کی وعید سنائی گئی ہے إن الذين يكتمون ما انزلنا من البينٰت والهدى من بعد ما بينٰه للناس فى الكتب، اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون (بقرہ ۱۵۹) (ترجمہ: جو لوگ ہماری ہدایت، رہنمائی اور ان دلائل کو جن کو ہم نے اتارا، چھپاتے ہیں، جبکہ ہم ''کتاب'' میں لوگوں کے لئے ان کو کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں، ان پر اللہ لعنت کرتا ہے، اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں)

رہی بات امت مسلمہ کے فکری بحران کی تو مختصراً اس کا بھی حال سن لیجئے، گمراہی کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ انسان جب سب کچھ اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے، خود اعتمادی سے گزر کر تعلی کی حدوں کو پار کر جاتا ہے، پھر اس کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے کہ اب تک قرآن اور اسلام کو اس سے پہلے کوئی سمجھا ہی نہیں، تو اس طرح وہ امت کے سواد اعظم اور ان کی خدمات کو مسترد کرتے ہوئے تفردات کی دنیا میں سیر کرنے لگتا ہے، پھر اسے اپنے سوا سب گم کردۂ راہ نظر آتے ہیں، سب کے فہم میں کجی نظر آتی ہے اور تفکر وتدبر کے میدان میں اپنے آپ کو تنہا شہسوار سمجھتا ہے، قرآن کی قانونی حیثیت اور کتاب احکام ہونے سے زیادہ اس کی نظر تفکر وتدبر وتعقل پر جمتی ہے، پھر وہ احکام شریعت کی پرواہ کیے بغیر، واعلموا أن فيكم رسول الله (ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کی شریعت اور آپ کی احادیث صحیحہ ہمارے سامنے ہیں) کی تلقین سے بے خبر ہو کر فکر وتدبر کی تاریک راہوں میں سفر کرتا ہے، دنیا کو بھی خام خیالیوں میں مبتلا کرتا ہے اور خود پریشاں فکری کا شکار ہو کر ایسی غیر منطقی اور بعید از عقل اور متضاد باتیں کرتا ہے، جس پر عقل ماتم کرتی ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے، فکری بحران کے شاکی اکثر ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، پھر جب وہ فکری بحران کی شکایت لکھتے ہیں تو ان کی

شکایتوں کے درمیان سے تجدید اسلام نہیں جدید اسلام جھانکتا نظر آتا ہے، کیوں کہ ان کا فکری خمیر مستشرقین کے ملغوبے اور معترضین کی لغویات سے تیار ہوتا ہے، اس لئے کبھی وہ اختلاف روایات کو زوال امت کا سبب شمار کرتے ہیں، کبھی فقہاء کی تحفظ شریعت کے سلسلہ کی کوششوں کو ان کی موشگافیاں قرار دیتے ہیں، اصول پر گرفت ایسی کمزور ہوتی ہے اور تشکیک کا ایسا مرض لاحق ہوتا ہے کہ وہ درایت پر بحث سے ابتدا کرتے ہیں لیکن پھر انہیں کوئی روایت صحیح نظر نہیں آتی حتی کہ وہ حدیث کو تاریخ کہہ بیٹھتے ہیں، کبھی جو ہوش آتا ہے یا فکری چالا کی انگڑائی لیتی ہے تو کچھ صحیح رایات کا اقرار تو کر لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنی فکری کج روی کے سبب یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ اگر کچھ صحیح روایات تسلیم بھی کر لی جائیں تو وہ صرف اُس دور کے لئے ہیں، وہ تجدید Revival & Reconstruction کا سہارا لے کر تجدد اور عقلیت پسندی Rationalism and modernization کی تحریک برپا کرنا چاہتے ہیں، ایسا کرنے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں تجدد و تجدید کا فرق معلوم نہ ہو، غالب گمان یہ ہے کہ فرق تو معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس فرق کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، یا پھر یہاں بھی دجل وفریب سے کام لیتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ فکری بحران خود عقلی بحران کے شکار لوگوں کو مذکورہ صورت میں نظر آتا ہے، یہ نتیجہ ہے مغرب سے بے پناہ مرعوبیت کا، اور چونکہ مغرب کی بنیاد الٰہیات و ماورائیت (Metaphysics) کے انکار، مادیت کی پوجا اور تشکیک پر ہے، روحانیت سے اس کو ازلی بیر ہے، اس لیے مغرب کے نظریات سے جس کا بھی خمیر اٹھتا ہے وہ ذخیرۂ حدیث یا کم از کم ملاحم وفتن کا منکر ہوتا ہے، بحران فکر اسلامی میں نہیں بلکہ مغرب کی تہذیب میں ہے بلکہ مغربی تہذیب خودکشی کے دروازے پر کھڑی ہے اس لیے جن کا مرجع مغربی تحقیقات ہیں وہ مغربی نظر سے فکر اسلامی میں بھی فکری بحران دیکھتے ہیں، جبکہ فی الحقیقت اکمال دین اور اتمام نعمت کے بعد فکری بحران کا سوال ہی نہیں، بلکہ افکار کی گہرائی میں جانے، دین کو سمجھنے اور تعلیمات اسلام کو نافذ کرنے کا بحران ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (سورہ مائدہ ۳) (ترجمہ: آج میں نے تمہارے خاطر تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنے انعامات تم پر تمام کر دیئے ہیں اور اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا ہے) دین کو مکمل کر دیا گیا، نعمت کا اتمام ہو گیا اور اسلام کو دین یعنی دستور حیات وطریقہ زندگی کے طور پر پسند کیا گیا، دین میں جتنے احکام ضروریہ تھے سب نازل کر دیے گئے، نقص واضافہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہا، البتہ زمانہ کے مقتضیات کے پیش نظر قرآن نے اجتہاد کا باب کھلا رکھا، لیکن اس کے اصول خود ہی متعین فرما دیا تاکہ ہر ہما شا فکر وتدبر کے نام پر بے لگام نہ ہو جائے، اجتہاد کے ان قرآنی اصولوں پر ہی ہر بحران کا حل تلاش کیا جائے گا، یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ اب اس طرح کا دعویٰ محدثین وفقہاء کی تمام خدمات اور ذخیرۂ احادیث کو تاریخ کی حیثیت دے یا لائق استناد نہ سمجھے، یہ جرأت وہی کر سکتا ہے جو قرآن کے اصول اجتہاد سے نابلد ہو یا پھر قرآن کے حکم سے بھی منحرف ہو، اتمام نعمت کا مطلب ہے کہ تم کو غلبہ عطا کر دیا گیا اب تم دین کا نفاذ کرو اور اسلامی تعلیمات کو نافذ کرو، ظاہر ہے کہ اس اتمام نعمت اور غلبہ کے بعد اب ہر بحران کا مطلب داخلی کمزوری ہوگی، بجائے اس داخلی کمزوری کو دور کرنے کے خارجی مدد لی جائے، کبھی مستشرقین کے ملغوبوں سے حلول پیش کیے جائیں اور کبھی مغرب کے نظریات کی

پیروی کی جائے تو اس میں اتمام نعمت اور دین اسلام کا کیا قصور ــــــ کمی تو اپنی ہی نکلی، کوتاہی تو ہم ہی سے ہوئی ــــــ پھر ۱۴ر صدیوں تک فکری بحران رہا ــــــ اب پندرہویں صدی میں اس کا حل تلاش کیا جارہا ہے ــــــ اب تک حل نہیں تلاش کیا گیا بلکہ فکری بحران میں خاطر خواہ اضافے کیے گئے ــــــ اس طرح کے اصحاب قلم کی نشاندہی کتاب الملاحم میں کیا خوب کی گئی ہے اور شاید اسی لیے یہ لوگ سب سے پہلے ملاحم وفتن کا ہی انکار کرتے ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے "إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مأة سنة من يجدد لها دينها" (اخرجه ابو داؤد فی الملاحم رقم ٤٢٩١) اس حدیث کی بشارت کی بنا پر یہ بات صاف ہے کہ کار اصلاح وتجدید کبھی رکا نہیں، ہر دور میں علماء، حکماء، مجاہدین ومحدثین اور اہل علم واہل سیاست کی ایسی مشہور ومعروف جماعت وجود میں آتی رہی جو ربانی خصوصیات سے مزین ہوکر اصلاح وتجدید کا فریضہ انجام دیتی رہی، سب نے لوگوں کی اصلاح اور حکومت ومعاشرے میں اسلام کے نفاذ کی کوشش کی اور یہی فکری بحران کا اصل حل تھا، لیکن جب فکری بحران کو تخریب وتفرق کے لئے عنوان بنایا گیا تو پھر "اسلام کی اصلاح کی جانے لگی اور نئے ترجمان تلاش کیے جانے لگے اور روایتی طرز فکر کا محاکمہ کیا جانے لگا"، آخر یہ روایتی طرز فکر ہے کیا؟؟

یقیناً قرآن فکر وتدبر اور عقل کے استعمال کا داعی ہے، وہ سوالات قائم کرنے اور کائنات کی وسعتوں میں جوابات تلاش کرنے، وسعت کون ومکاں کے ساتھ روئے زمین کے ہر ذرہ میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، لیکن عقل کے بے جا استعمال کی اجازت کہاں سے درآئی؟؟ قرآن نے "عقل سلیم" کی تعریف کی ہے، کیا جو شخص احادیث کے مستند ذخیرے، صحیح روایات پر مبنی اقوال وآثار صحابہ اور کلام عرب نیز جمہور ائمہ مفسرین ومجتہدین کی آراء کو نظر انداز کرکے فکر وتدبر کا دعوی کرے اس کی عقل کو قرآن کی "عقل سلیم" کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، یہی وہ روایتی طرز فکر ہے جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے، جس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے يا يها الذين آمنو اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فان تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الآخر ذلك خير واحسن تاويلا (سورہ نساء ۵۹) (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور پیغمبر کی اور اپنے میں سے دین کے نمائندوں اور حکومت کے ذمہ داروں کی اطاعت کرو، اگر کسی معاملے میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو، تو اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور انجام اور نتائج کے اعتبار سے یہی اچھا ہے اور خوب تر ہے) اس روایتی طرز فکر کے محاکمہ کا مطلب صاف ہے، کہ اس محاکمہ سے فکر کی کوئی نئی طرح ڈالنا مقصود ہے، احادیث نبویہ کے اس مستند ذخیرہ کو نظر انداز کرنا مقصود ہے جو قرآن کے اجمال کی تفصیل بیان کرتا ہے، یقیناً اسلام کی جڑوں کو کھودنے والوں کی ایک تعداد رہی ہے، لیکن محدثین کی تگ ودو اور بے مثال جانفشانیوں نے صحیح وضعیف اور موضوع روایات کو الگ الگ کردیا ہے، فن اسماء الرجال پر مستشرقین اپنے تمام تعصّبات کے باوجود سر دھنے بغیر نہ رہ سکے ہیں، اس کے باوجود انہیں کے اعتراضات کو بنیاد بنا کر وقتاً فوقتاً ایسے اہل قلم پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کو باطل طاقتیں مالی امداد فراہم کرتی ہیں اور وہ اپنے ایمان وضمیر کا سودا کرکے امت کو اس کے مستقبل سے غافل کرنے کے لئے،

ماضی سے اس کا رشتہ منقطع کرنے کے لئے فکری بحران کا شور مچاتے ہیں، رجوع الی القرآن (احادیث واقوال وآثار صحابہ کو چھوڑ کر تفسیر بالرائے پر زور دیتے ہوئے) کے نام پر دین کی بنیادوں کو ڈھاکر، جمہور کے فہم قرآن کا انکار کرتے ہوئے امت کو فکری بحران سے دوچار کرتے ہیں، اچھا ہوا کہ یہ کانفرنس ہوئی اور جو کچھ ڈھکا چھپا تھا سب ظاہر ہو گیا، بلی تھیلے سے پوری طرح باہر آ گئی، زیغ وضلال اور انکار حدیث پر مبنی متعدد تحریکیں تاریخ کے بے کار و بے وقار ملبے مین مدفون ہیں، اس کانفرنس سے پنپنے والے گمراہ کن نظریات بھی تاریخ کا عبرت ناک حصہ بن جائیں گے، علمی اختلاف ممکن ہے، متقدمین کے یہاں بھی تفردات ہیں، لیکن تفردات کو نافذ کرنے کے لئے تحریک نہیں چلائی جاتی، فی زمانہ بھی بہت سے اصحاب قلم ہیں جن کے یہاں علمی تفردات ہیں ــــــ اور دلائل کی بنیاد پر ہیں ــــــ لیکن دوسروں کے بلکہ جمہور کے دلائل بھی سامنے ہیں اس لیے ان کے تفردات بس ذاتی اور نظریاتی و علمی حیثیت کے ہیں، وہ انہیں تحریک نہیں بناتے ــــــ جب تفردات بے بنیاد ہوں ــــــ بلکہ دلائل کو مسخ کر کے اور مصادر شریعت سے آنکھیں بند کر کے بلکہ دجل وتلبیس کے سہارے نظریات کی باڑھ بنائی گئی ہو اور ان کے عام کرنے کی تحریک چلائی جائے تو مقصد واضح ہے، کہ اس سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور امت کی خدمت نہیں بلکہ اسلام کی عمارت کو ڈھانا اور امت کی توجہ کو تقسیم کر دینا مقصد ہے، ایسی کسی بھی تحریک کی بروقت تردید وتعاقب اور اصلاح واجب ہے، فکری بحران کی پکار لگانے والوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اپنی بے جوڑ اور غیر منطقی بلکہ مستشرقین کی چبائی ہوئی باتیں بڑی علمی اور مدلل معلوم ہوتی ہیں، لیکن جب ان کا تعاقب کیا جائے اور ان کے بے تکے طریقۂ استدلال کو واضح کیا جائے تو وہ سب انہیں روایتی اور غیر علمی و بے دلیل کام معلوم ہوتا ہے، ایسے لوگ اکثر ذخیرہ احادیث اور اس میں بھی کتاب الملاحم وغیرہ کے منکر ہوتے ہیں، خود اس کانفرنس کے منتظم کا بھی شمار ان ہی میں ہے، درحقیقت ایسے لوگ قلم سے کھیلتے ہیں، اور قلم کے ذریعہ گمراہی کے اسباب فراہم کرتے ہیں، قلم سے نکلے ہوئے ہر لفظ کے حساب سے بھی شاید وہ بے خبر ہوتے ہیں، معلوم نہیں ما يلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد (سورہ ق ۱۸) (ترجمہ: تو جو بات بھی انسان کرتا ہے اس کے پاس ایک نگراں حاضر رہتا ہے) کا وہ کیا مفہوم سمجھتے ہیں، مسند احمد کی ایک روایت میں جہاں علامات قیامت شمار کرائی گئی ہیں وہاں قلم کے ظہور کو بھی شامل کیا گیا ہے (مسند احمد ۳۸۷۰) اور عجیب بات یہ ہے کہ آج قلم کا استعمال عام ہے، ہر شخص مجتہد ہے، ایک لفظ کی تحقیق نہیں بلکہ بسا اوقات طریقۂ تحقیق معلوم نہیں چہ جائیکہ قرآن کے مخاطبین اولین کے طریقۂ استعمال کا علم ہو اور قرآن کو خود ہی سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

جب کسی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو اس کے ہر گوشہ پر غور کیا جائے، یہ طریقہ ہے کسی بحران کے حل کو تلاش کرنے کا، غور وفکر کی دعوت اور تحلیل وتجزیہ کا دعویٰ، لیکن بنیاد کسی فرد واحد کی رائے یا مستشرقین کے ملغوبے پر، ظاہر ہے کہ سطحی علم اور خام مطالعہ کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، اس میں کیا شک کہ کسی کی رائے قطعی اور حتمی نہیں، تو پھر اس دور کے کسی شخص کی رائے کو ترجیحی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، اس کانفرنس میں متحدہ اسلام پر بھی بحث ہوئی، اہل کتاب اور شیعہ سنی اتحاد پر بات ہوئی، قرآن نے یقیناً اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی، لیکن کیا عہد نبوت میں اہل کتاب مسلمانوں کو برداشت کر سکے، اسلام ان کے حلق سے اتر سکا (جو اسلام میں داخل ہو گئے وہ

مستثنی ہیں) کیا قرآن نے ان ہی کی بابت یہ نہیں کہا: یا یها الذین آمنو لا تتخذوا الیهود والنصاری اولیاء(سورہ مائدہ۵۱)(ترجمہ: اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا قابل اعتماد ساتھی اور دوست نہ بناؤ) تجارتی اور سرکاری اور معاشرتی معاملات اپنی جگہ مگر کیا صراحت کے ساتھ یہ بات نہیں فرمائی گئی یا یها الذین آمنوا لا تتولوا قوما غضب الله علیهم قد یئسوا من الآخرۃ کما یئس الکفار من اصحٰب القبور (ممتحنۃ۱۳)(ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستیاں مت رچایا کرو جن پر اللہ کا عذاب بھڑک چکا ہے، جو آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح یہ کافر قبر والوں سے مایوس ہیں)(کہ کفار سمجھتے ہیں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندگی اور حساب کتاب کا کوئی امکان نہیں) کیا اس صراحت کے بعد ان سے اتحاد ممکن ہے چہ جائیکہ اسلامیات میں ان کے طریقۂ تحقیق کو اپنایا جائے اور ان کے نظریات پر اپنے فکر کی عمارت کھڑی جائے، کیا ان ہی اہل کتاب نے از ابتدا تا دم تحریر اسلام اور مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا، کیا گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی تاریخ میں اہل سنت والجماعت کو نیست و نابود کرنے کے لئے شیعیت وصلیبیت اور صہیونیت کے اتحاد نے کوئی کوشش اٹھا رکھی، اس اتحاد کے راستے تقریبا مسدود ہیں، ایسے وقت میں جبکہ پورا عالم اسلام اس مثلث کے اتحاد کے ذریعہ ڈھائے جانے والے ظلم سے کراہ رہا ہو، یہ واویلا مچانا کہ ان سے اتحاد کرلیا جائے یا ان سے اتحاد کے راستے ڈھونڈے جائیں چہ جائیکہ ان سے نجات کی راہیں تلاش کی جاتیں، یہ اقدامات صاف بتاتے ہیں کہ یہ آواز یا تو فروخت ہوجانے والے ضمیر کی ہوسکتی ہے یا پھر اس مثلث کے ذریعہ برپا کی جانے والی اس عالمی تحریک کی نمائندہ آواز ہوسکتی ہے جس نے میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد یہ عزم کرلیا تھا کہ وہ اب اس ملت سے میدان میں نہیں فکری محاذ پر جنگ میں اس کو شکست دے گی، اس فکری جنگ میں تقریبا وہ جیت گئے، ان کو پرفریب نعرے لگانے والے اہل قلم بھی ہم میں سے ہی ملے، قائدین نے بھی ان ہی کے نظریات قبول کرلیا، خلافت عثمانیہ کا زوال ان کی فتح کی نوید تھی، فلسطین پر ان کا قبضہ اس فتح کا عروج تھا، ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکست امت مسلمہ کے تابوت میں آخری کیل تھی اور اب ''عرب بہاریہ'' کی تحریک کو تقریبا ناکام بنا کر انہوں نے بڑی حد تک جنگ جیت لی ہے، صہیونی پروٹوکولز کا مطالعہ کرنے والے، صلیبی ذہنیت سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ان سے اتحاد ممکن ہی نہیں تو مسلمانوں کے اس اتحاد کی قیادت کرنے کا امکان کیسا؟ قرآن کا واضح اعلان ہے، اس دور میں اس اعلان کی حقیقت اور اس دعوت ودعویٰ کا ہلکا پن اور ظاہر ہوجاتا ہے جبکہ مسلم حکمراں ان ہی کے نظریات قبول کرچکے ہیں، ان ہی کی تہذیب پر فریفتہ ہیں بلکہ جسمانی اور فکری طور پر ان کے غلام بن چکے ہیں لیکن پھر بھی جو صورت حال ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے دیکھیے قرآن کا یہ اعلان ولن ترضی عنك الیهود ولا النصاری حتی تتبع ملتهم.... الخ (سورہ بقرہ۱۲۰)(ترجمہ: یہودی اور نصرانی آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگے، جب تک آپ ان کے طور طریق نہ اپنالیں، آپ کہہ دیں کہ ہدایت الہی ہی اصل ہدایت ہے، آپ کے پاس قطعی علم آجانے کے بعد اگر ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے، تو اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا)

رہی بات اہل تشیع کی ــــ تو ان سے بھی اتحاد کے راستے مسدود ہیں ــــ اس کانفرنس میں بھی ایک معتبر شیعہ عالم

دین نے دبے لفظوں میں یہ بات واضح کردی ___ اب اگر اس کی کوشش کی جائے کہ اس قدر اختلافات کے بعد بھی ایک ساتھ کیسے رہیں ___ امن وسکون کی فضا کیسے قائم ہو ___ تو یہ دانشمندانہ اقدام ہوگا اور شاید اس کے نتائج بھی برآمد ہوں گے، شیعہ سنی اتحاد کے نعرے وقت بے وقت لوگ لگاتے رہتے ہیں، دیکھیے اس کی راہیں کتنی مسدود ہیں، اور یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ ہر مرتبہ کی ناکام کوشش کا ذکر کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہوجائے، ماضی قریب میں عالم اسلام کی مشہور علمی ودینی شخصیت شیخ موسی جار اللہ ترکستانی بھی شیعہ سنی اختلافات سے بہت دل برداشتہ تھے، ان کو بھی اتحاد کی سوجھی، انہوں نے شیعوں کی تمام اہم کتابوں کا مطالعہ کرکے اختلافات کے اسباب جاننے کی کوشش کی، ۷؍مہینوں تک اہل تشیع سے ملتے رہے، ان کے مدارس، مراکز، مساجد اور خوشی وغم کی محفلوں میں شریک ہوئے، محرم میں نجف میں قیام کیا، طویل مطالعہ اور مشاہدات وتجربات کے بعد انہوں نے تہران کے مشہور شیعہ عالم شیخ محسن الامین سے ملاقات کرکے ان کو ایک تحریری سوالنامہ پیش کیا جس کی تاریخ ۱۹۳۴/۸/۲۶ء ہے، انہوں نے یہ سوالنامہ سارے شیعی مراکز کو ارسال کیا اور لکھا کہ اگر وہ خود کو اسلام کا حصہ سمجھتے ہیں اور مسلمان گردانتے ہیں تو ان سوالوں کا جواب ضرور دیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب انقلاب شام) شیخ جار اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک سال سے زیادہ انتظار کیا لیکن کوئی جواب نہ آیا حتی کہ بصرہ کے ایک شیعی مجتہد عالم نے ۹۰ صفحات میں اپنا جواب لکھ بھیجا جو پہلے سے ان کی کتابوں میں موجود لغویات سے بھی زیادہ شدید تھا، شیخ فرماتے ہیں کہ اب مجھ پر عہد اول اور عہد حاضر دونوں کا قرض واجب تھا، امت کی عزت اور دین کی کرامت کا دفاع واجب تھا اس لیے میں نے امت کو کسی فریب میں مبتلا نہ رکھنے اور حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی کتاب **الوشیعة فی نقد عقائد الشیعة** لکھی۔

بات طویل ہوتی چلی گئی اس کانفرنس میں جو باتیں زیر بحث آئیں، اور جن کو فکری بحران کا پیش خیمہ قرار دیا گیا وہ یا تو مجاہدین کی کوئی جماعت، یا صالح انقلاب کے داعی، یا فقہاء کی اجتہادی کوششیں تھیں، بقیہ جو جزئیات زیر بحث آئے اور جن شذوذ پر گفتگو ہوئی وہ الگ ___ ظاہر ہے کہ ہر ایک کی تردید ایک مقالہ چاہتی ہے اور تردید وتفصیل یہاں مقصود نہیں...... قارئین کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کسی موضوع پر بات ہوتی ہے تو اس کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے، اس کے اسباب کا تحلیل وتجزیہ ہونا چاہیے اور پھر کوئی رائے قائم کی جانی چاہیے ___ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب نیت خالص اور قلم آزاد ہو ___ بصورت دیگر پہلے سے مفروضہ قائم کرلیا جاتا ہے اور اسی پر بحث ہوتی ہے ___ یا قلم کی قیمت حسب منشاء ادا کی جاتی ہے ___ ایران کلچر ہاؤس اور صلیبی وصہیونی عالمی تنظیمیں کس کس طرح افراد کو اپنا آلۂ کار بناتی ہیں اس کا اندازہ عام انسان یا سطحی علم رکھنے والا نہیں کر سکتا ___ یہ کہہ دینا کہ عراق میں اتنے مسلمانوں کو مسلمانوں نے مارا ___ افغانستان مین اتنے مسلمانوں کو مسلمانوں نے مارا ___ کیوں مارا؟ ___ کس نے مارا؟ ___ کوئی ایک تو حق پر تھا ___ اسباب کیا تھے ___ ایسا تو نہیں کہ مارنے والے یا مرنے والے دونوں میں سے کوئی ایک مسلمانوں کے بھیس میں تو تھا لیکن مسلمان تھا ہی نہیں ___ خواہ واقعی مسلمان نہ ہو یا اپنے ضمیر کا سودا کرکے مسلمان نہ رہ گیا ہو ___ ہر طرح کے تجزیے سے بالا ہوکر بس یہ کہہ دینا کہ خون بہا ___ خون بہایا ___ آخر

کون سی دانشوری ہے___ شام___ شام میں ظلم، بشار اور اس کے باپ کے مظالم___ اہل سنت کے پامال حقوق___ جبرو استبداد کی داستانیں......خارجی دشمن اور داخلی غلاموں کی سازشیں___ شریعت اسلامیہ کا اٹھتا جنازہ___ اس پر مجاہدین کی قربانیاں___ عالم اسلام کے غلام حکمرانوں کی سردمہری___ ایران کی سنی دشمنی___ اس کی اسرائیل نوازی اور اس کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے بشار کی مدد کے لئے شامی فوج کے شانہ بشانہ مظلوموں کا خون بہانے کی مہم___ اور غلطی جہاد چھیڑنے والوں کی___ مقصد کانفرنس کا یہ تھا کہ جہاد کے باب Chapter کو بند کردیا جائے، اس کی بات کرنے والے کو ہی معتوب قرار دیا جائے___ یہ کوشش امریکہ عالمی پیانہ پر کررہا ہے___ اس کے تعاون سے اس موضوع پر سینکڑوں کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں___ لیکن فرمان رسول ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا___ اور فرمایا گیا کہ جب کوئی قوم جہاد کو چھوڑ دے گی تو مغلوب وذلیل ہو جائے گی___ ہاں جہاد کی صحیح تشریح ہونی چاہیے تھی___ مقام ومعنی متعین کیے جانا چاہیے___ لیکن کرنے والے یہ کام بڑی امانت ودیانت کے ساتھ کرچکے___ ان کی تو یہاں نمائندگی ہی نہیں تھی___ ان میں سے جو لوگ شامل ہوئے شاید آئندہ ان کو نہ بلایا جائے___ یا خود وہ آنے سے گریز کریں۔

رہی بات فقہاء کے اختلاف مسالک کی تو اس کو فرقہ بندی کا سبب سمجھنا از خود جہالت کا واضح ثبوت ہے اور فقہی اختلاف کو تفریق وتخریب اور انتشار کے لیے استعمال کرنا خود ہی معیوب ہے، صحابہ اور فقہاء تابعین ومتقدمین کے یہاں اس بنیاد پر کسی طرح کی گروہ بندی نہیں ملتی___ البتہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ نتیجہ ہے سطحیت کا___ علم کی سطحیت کا___ حکومت وسیاست کی سطحیت کا___ سطحی علم نے اسے اپنے تحفظ اور پیٹ کے لئے استعمال کیا، جبکہ حکومتوں نے اصل مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے اور اپنے کچھ ذاتی مفادات کے حصول کے لئے اس کا استعمال کیا___ علماء ربانیین نے کبھی بھی فقہی اختلافات کو گروہ بندی کا سبب نہ بننے دیا___ اور سچ یہ ہے کہ اس بنیاد پر فرقہ بندی کم ہے لیکن سطحیت کے ماروں کو نظر زیادہ آتی ہے___ وہ ایک نئے مکتب فکر کو فروغ دینے کے لئے اسی کو موضوع بحث بناتے ہیں اور ایک نئے فرقہ کی تشکیل میں سارا زور متقدمین فقہاء ومحدثین پر آزماتے ہیں___ عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ جب کبھی اس طرح کی کوشش کی گئی کہ روایت ودرایت اور اصولوں کی بنیاد پر قائم مسالک فقہیہ کی عمارت کو ڈھا کر ایک نئے طرز فکر کی بنیاد ڈالی جائے، جس میں سرفہرست رجوع الی القرآن (احادیث اور اقوال وآثار صحابہ سے نظر موڑ کر محض تفسیر بالرائے کے ذریعہ) کی دعوت ہو تو ہمیشہ اس کے مقدر میں ناکامی آئی، اس کی وجہ گزشتہ سطروں میں درج ہو چکی ہے۔ ان کے اختلافات کو فرقہ بندی اور اسباب تخلف میں وہی لوگ شمار کرتے ہیں جن کی نیت درست نہیں ہوتی، مثلاً معروف منکر حدیث اور فرقہ اہل قرآن کے بانی غلام احمد پرویز کے نزدیک ''صلوۃ'' کے معنی دعا ہیں، پھر وہ حدیث کے ذریعہ متعارف کرائی گئی نماز کا انکار کرتا ہے، ہمارے یہ مجدد ذرا ذہین ہیں، ادراک زوال امت میں فرماتے ہیں کہ یہ نماز رسول اللہ کی نماز نہیں، اگر یہ آپ ؐ والی نماز ہوتی تو اس میں اختلاف نہ ہوتا، ظاہر ہے کہ روایات کا تنوع اور آپ ؐ کے اعمال کا تنوع یہ بات کہتے وقت یکسر مسترد کردیا گیا، معلوم نہیں اس سے انکار حدیث مراد ہے یا پرویز کی بات کو دوسرے انداز میں کہنا مقصد ہے یا پھر یہ محض پریشاں خیالی ہے۔

اب اگر واقعی فکری بحران کے حل کی تلاش ہے تو سنیئے! بات سچی یہی ہے کہ امت فکری بحران کا شکار نہیں، افکار کے نفاذ کی منتظر ہے ـــــ فی زمانہ اس کو صرف اسلامی تعلیمات کے نفاذ کی ضرورت ہے ـــــ اس کو ضرورت ہے رجوع الی الاسلام کی، یہ امت اس وقت جس فکری بحران کا شکار ہے اس کا تعلق اس کی قیادت سے ہے، جس نے مغرب کی ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیا، اس کی سائنسی ترقی کو قبول کرنے کے ساتھ اس کے تہذیب وتمدن کو بھی قبول کرلیا، اس کی فکر اسلامی پر مادی فکر کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ مذہب بیزار ہوکر معاشرے کو بھی مذہب بیزار بنانے پر آمادہ ہوگئی، اس کا مصدر ومرجع اسلامی تعلیمات نہیں رہیں بلکہ مطمح نظر، مرکز امید اور مرجع استنباط سب مغرب کے عطا کردہ نظریات، اس کی تعلیمات، اس کی اقتصادیات اور اس کی سیاست ہوگئی، ہماری قیادت تعلیم وسیاست اور ایجادواختراع کے ہر میدان میں شکست سے دوچار ہوئی، بلکہ اسلامیت ومغربیت کی کشمکش میں وہ اخلاقی طور پر بھی دیوالیہ ہوگئی ـــــ اصول فقہ اور اسلامی معاشیات وسیاسیات واقتصادیات اور اسلامی نظام تعلیم کوئی بھی امت کے تخلف وزوال کا سبب نہیں، کیوں کہ ہماری قیادتوں نے نہ انہیں اختیار کیا، نہ ان سے استفادہ کیا اور نہ ان کے نفاذ کی کوشش کی بلکہ آج معاشرے میں پائے جانے والے اضطراب کی دو وجہ ہیں، ہمارے ملکوں کا مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح ہم نے اپنے کو محدود کیا اور ہماری عارضی پالیسی گویا دائمی بنتی چلی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ دین کا شعور رکھتے ہیں اور زمام کار سنبھال سکتے ہیں وہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر اور جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں وہ دینی شعور اور مذہبی تعلیمات سے ناآشنا ـــــ دونوں ہی صورتیں ملی اضطراب کا سبب ـــــ خلیجی اور عربی ملکوں کی اکثریت مذہبی تعلیم سے آشنا مگر مغربی نظام تعلیم کے سبب روحِ اسلام سے ناآشنا ـــــ ہاں اب سے دو دہائی قبل جب ان ملکوں کے اداروں میں اسلامی اثرات کچھ زیادہ نمایاں تھے تو روحِ اسلام سے بھی کچھ آشنائی ہو ہی جاتی تھی ـــــ لیکن جب وہ باہر کی دنیا میں آتے تو وہی مغربی طرز حکومت ومعاشرت وتجارت کا چلن ـــــ نتیجتاً اضطراب کا پیدا ہونا لازمی سی بات ہے ـــــ فکری بحران کا اصل سبب اسلام کی واضح تعلیمات سے کھلا ہوا انحراف اور ان کی عدم تنفیذ ہے ـــــ اس میں بھی سب سے بڑا سبب ہمارا نصاب ونظام تعلیم ہے، جس کی مخالفت اور جس کے عدم نفاذ میں ہم سبھی شریک ہیں، جب تک صحیح نصاب اور خالص اسلامی نظام تعلیم برپا نہیں ہوتا فکری اضطراب باقی رہے گا اور موشگافیاں کرنے والے تو بہر حال موشگافی کرتے رہیں گے، ایسی مثالوں سے نہ کوئی دور خالی رہا اور نہ رہے گا، منکرین حدیث ظہور دجال پر ایمان نہیں رکھتے مگر ہمارا ایمان پختہ ہے اور پھر شیطان کو قیامت تک کے لئے کھلی چھوٹ دی گئی ہے، اس کے مظاہر وجود پذیر ہوتے رہیں گے ان کا سلسلہ کیوں کر رکے گا؟؟؟

ہمارے مدارس اسلامیہ میں بھی جانے تعلیم وتربیت کا کیا معیار رہ گیا ہے، اکثریت جو یونیورسٹیز کا رخ کرتی ہے ـــــ ایسا لگتا ہے ناپختہ ذہن اور خام فکر لے کر آتی ہے، وہ مؤثر ہونے کے بجائے باہر نکل کر متاثر ہوتی ہے، ایک طالب علم کو سنا بڑے زور زور سے کہہ رہا تھا کہ میں ندوی ہوں، میں نے بچپن ایک جماعت کے مدرسہ میں اور جوانی دوسری جماعت کے مدرسہ میں گزاری، پھر تین سال دعوت وتبلیغ اور امامت کے فرائض انجام دیتا رہا، اس دوران ''برج کورس'' کا غلغلہ بلند ہوا، ہم نے بھی اصل اسلام تک پہنچنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور ہم ان سوالات واختلافات وتفریق سے پریشان تھے جو ہمارے سامنے تھے، اب ہم یہاں آگئے

اور یہاں سے اتحاد کی یہ نئی دعوت پیش کی جارہی ہے، کچھ اسی طرح کی بھڑاس نکالنے کے لئے ایک اور طالب علم کو پیش کیا گیا جو نالاں کناں تھا کہ آخر اگر اب تک سب کو ریفارمر Refarmer بننے سے نہیں روکا گیا تو داعی کانفرنس کی تجدیدی کوششوں کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے ــــ اف!! اگر یہ تجدیدی کوشش ہوتی تو سب مخالف نہ ہوتے ــــ ممکن ہے کوئی کسی خاص غرض سے مخالف ہوتا ــــ کیا اب ملمع وحقیقت اور تجدید وتخریب کے درمیان فرق کی تمیز بھی باقی نہ رہی ــــ ہمارے مدارس کو یہ ذمہ داری فوری طور پر اٹھانی چاہیے کہ وہ خارجی مطالعہ، اصول تفسیر وحدیث وفقہ کی اعلیٰ اور پختہ تعلیم کے ساتھ فکری تربیت پر خاص توجہ مرکوز کریں ــــ اصول کی سرسری تعلیم وتدریس انتہائی مہلک ہے اور اس کا جو حال ہے اس سے اہل مدارس خوب واقف ہیں ــــ یونیورسٹی کا رخ کرنے والے طلبہ سے بیزار ہونے کے بجائے خود طلبہ کو تیار کر کے بھیجیں اور انہیں ملت کے کام کا بنائیں، ان سے رابطے پیدا کریں اور ان کی سرپرستی کریں ــــ اگر تفردات وشذوذ کی ترویج واشاعت میں مطالعہ کی عادت سے بیزار، ناپختہ فکر طلبہ مدارس کی ایک آدھ کھیپ بھی حضرت ڈائریکٹر کے دجل وتلبیس کا شکار ہوگئی تو ملت کا بڑا سرمایہ ضائع ہوگا، کیا علی گڑھ کے اصحاب بصیرت اس جانب توجہ دیں گے کہ یونیورسٹی کے پلیٹ فارم سے کسی کو اپنے تفردات پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ــــ کیا ارباب مدارس اس سمت کوئی پیش رفت کریں گے ــــ کیا وہ ایک بار پھر نہیں سوچیں گے کہ ان ہی کے طلبہ بڑے بڑے اسکالرز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتے تھے اور ان کے فکر وفن کو استناد کا درجہ حاصل ہوتا تھا ــــ یونیورسٹیز انہیں اعزازی ڈاکٹریٹ دیا کرتی تھیں ــــ لیکن آج ــــ آخر آج یہ زوال کیوں ــــ اس قدر سطحی مطالعہ، اس قدر کمزور علمی استعداد، جو چاہے انہیں ''نئی نسل سے امید'' کا فریب دے کر اپنے فکر وفن کا ترجمان بنالے اور جس طرف چاہے ان کا رخ پھیر دے ــــ مقام فکر ہے ــــ وقت زیادہ نہیں مگر کام بہت باقی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جس طرح کانفرنس کے سلسلہ میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ وہ ''پہلی اعلیٰ سطح'' کی کانفرنس ہے ویسے ہی ''برج کورس'' کے سلسلہ میں یہ الزامات عائد کیے گئے اور بالخصوص داعی کانفرنس کے افکار پر نقد کرنے والوں کا نام لے کر ان پر الزامات لگائے گئے کہ وہ سب ''برج کورس'' کے مخالف ہیں، یہ انتہائی سنگین جھوٹ اور گھٹیا الزام ہے، کسی ایک عالم دین نے اب تک نہ اس کورس کی مخالفت کی اور نہ اس کے نقائص کو بیان کیا، ہر سمت سے اس کی تعریف کی گئی اور اس کو بہ نظر استحسان دیکھا گیا، لیکن برج کورس کے حوالے سے جب بھی بات ہوگی تو ڈائریکٹر کا نام آئے گا، ان کا نام آئے گا تو ان کے افکار کی تردید مذہبی فریضہ ہوگی، دو-تین مستشرقین کے ملغوبوں پر اپنے دجل وتلبیس کی عمارت کھڑی کرنے والے سے کسی سچ اور کسی خیر کی امید بھی نہیں کی جاسکتی، خود راقم کے سامنے کی بات ہے کہ برج کورس کے طلبہ نے مولانا سید سلمان الحسینی صاحب کا انٹرویو لیا اور یہی سوال کیا تو مولانا نے صاف کہا کہ برج کورس کی مخالفت کوئی نہیں کرتا اور اگر کوئی کرے تو غلط ہے، شرط یہ ہے کہ برج کورس جن مقاصد کے لیے قائم کیا گیا ہے ان ہی پر گامزن رہے، اس بیان کو ڈائریکٹر صاحب ہضم کر گئے، مولانا محترم خود برج کورس گئے، وہاں خطاب بھی کیا اور ڈائریکٹر صاحب سے کہا کہ اگر واقعی آپ کے پاس کوئی لائحہ عمل مستقبل کے لئے ہے تو اسے پیش کیجئے اور گڑے مردے مت اکھاڑیے، لیکن جناب والا کو اتحاد کا نہیں افتراق کا سفیر بنایا گیا ہے، انہوں نے پریس ریلیز میں اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کر دیا کہ مولانا نے کہا کہ گڑے

مردے مت اکھاڑیے مگر یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ان ہی گڑے مردوں کے اقوال لائے بغیر ان کا کوئی فتویٰ مکمل نہیں ہوتا۔

ڈائریکٹر صاحب یہاں بھی تلبیس سے کام لے رہے ہیں، کورس کی آڑ میں یہ چاہتے ہیں کہ ان کو مجدد سمجھ لیا جائے اور ان کے باطل افکار کا تعاقب نہ ہو، وہ تو پوری امت اور اس کی اساس ذخیرہ حدیث پر محدثین کی نظر سے نہیں بلکہ مستشرقین کے طرز پر نقد کریں، (بعض لوگ دفاع میں لکھتے ہیں کہ حدیث پر نقد تو بہت سے علماء اور محدثین نے کیا ہے، ان بے چاروں کو معلوم نہیں کی محدثین کی جرح وتعدیل اور مستشرقین کے نظریہ تنقید حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے) لیکن جب ان کے ''شواذ'' پر نقد ہو تو نقد کرنے والوں کو ''فکر شاذ'' کے حاسدین قرار دیں، یہ ممکن نہیں ہے کہ ''شاذ فکر'' کا تعاقب نہ ہو، ''شواذ'' اور گمراہ کن افکار سے کلی صرف نظر وہی ''شہباز'' کرسکتا ہے جو اپنی سمت پرواز اور اپنا مذہبی نسب بھول کر صرف اپنے ''خونی رشتہ'' کا پاس ولحاظ رکھتا ہو فخلف من بعد هم خلف ورثوا الكتب ياخذون عرض هذا الادنى ويقولون سيغفرلنا، وان ياتهم عرض مثله ياخذوه، الم يؤخذ عليهم ميثاق الكتب أن لا يقولوا على الله إلا الحق ودرسوا ما فيه، والدار الآخرة خير للذين يتقون، افلا تعقلون (اعراف۱۶۹) (ترجمہ: ان کے بعد وہ لوگ آئے، جو کتاب الٰہی کے وارث ہوئے، جن کا حال یہ ہے کہ اس دنیائے دنی کی عارضی دولت اور ساز وسامان کے حصول میں لگے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہوجائے، پھر اگر اسی طرح (مزید) مال ومتاع ہاتھ لگے تو اسے وصول کرتے ہیں، کیا ان سے اللہ کی کتاب کے ذریعہ یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ کے بارے میں جو کہیں گے، حق کہیں گے، اور انہوں نے کتاب پڑھ رکھی ہے، تو اس کا خیال رکھیں گے، اور آخرت ہی پرہیز گاروں کے لئے سب سے بہتر ہے، کیا تم عقل وشعور سے کام نہیں لیتے) ڈائریکٹر صاحب آپ برج کورس کے طلبہ کو سوچنے کی فضا فراہم کررہے ہیں، لیکن یاد رکھیے کہ جس روایتی طرز فکر کے خلاف سوچنے کی تعلیم آپ دے رہے ہیں وہ امت نے کبھی بھی قبول نہیں کیا ہے، آپ CEPECAMI میں بدنام زمانہ کبیر الدین فاراں کی اس کتاب کا اجراء کریں جو تخلیق آدم وحوا پر سوالیہ نشان لگائے، رفع عیسی کا انکار کرے اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو متہم کرے اور پھر یہ امید کہ آپ کی ثناخوانی کی جائے۔ آپ برج کورس کے دائرے کار میں اگر Interfaith اور Intra-faith لانا چاہیں گے تو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ برج کورس کا دائرہ صرف اور صرف مدارس ویونیورسٹی کے درمیان تعلیمی نقطۂ اتصال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی نے بھی ''برج کورس'' کی مخالفت میں ایک لفظ نہیں کہا، بلکہ اس کے سلسلہ میں غور وخوض کے لئے ایک موقع پر کنٹرولر پروفیسر جاوید اختر صاحب کے ساتھ میں خود بھی موجود تھا جب وہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر غیاث صدیقی صاحب کے یہاں آئے تھے، ہاں آپ اپنے افکار کی تردید کو اگر برج کورس کی مخالفت تصور کرتے ہیں تو یہ آپ کا پرانا ہنر ہے جو آپ نے ''گولڈزیہر'' (Goldziher) وغیرہ سے سیکھا ہے، جن کے ملغوبے پر آپ کی ساری عمارت کھڑی ہے۔

اسی طرح یہ واویلا مچانا بھی اسی دجل وتلبیس کا حصہ ہے کہ لوگ سوچنے پر پابندی عائد کرتے ہیں، رائے کے اظہار پر قدغن لگاتے ہیں، خدارا جھوٹ کا دامن چھوڑیے...... حقائق کی دنیا میں آئیے، وفات رسول کے بعد سے آج تک فکر وتدبر کی تحریک رواں دواں ہے، مختلف نقطہ ہائے نظر اسی فکر ونظر کا نتیجہ ہیں جن پر آپ ''ماتم کناں'' ہو کر سطحی فکر کے حاملین سے واہ واہی

لوٹ رہے ہیں، اصحاب تفردات تاریخ کی کون سی دہائی میں موجود نہیں رہے، رائے کا اظہار کب نہیں کیا گیا، ہاں یقیناً اس فکر ونظر پر پابندی لگائی گئی جس پر قرآن وسنت کی چھاپ نہ رہی، قرآن مین فکر وتدبر صحابہ وتابعین کے نقطۂ نظر سے ہی جائز ٹھہرا، مستشرقین کی متعصب اور عیب جُو نظر سے فکر وتدبر کو یکسر مسترد کیا گیا، ہر اس رائے کی قدر کی گئی جس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوئی اور اس رائے کو تاریخ میں ردی کی ٹوکری ہی نصیب ہوئی جو قرآن یا سنت کے استخفاف پر مبنی ہوئی، فکر اسلامی کے ارتقاء کی شاندار تاریخ ہے جو کبھی بھی جمود کا شکار نہ ہوئی، آپ انہیں نظر انداز کر کے جھوٹ کے فلسفۂ جدید کا جس قدر بھی سہارا لیں لیکن بحمد اللہ جمہور امت کبھی بھی فریب کے ساتھ نہ کھڑے نہ ہوں گے، برج کورس جیسی کوششیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں، دیگر ذرائع کا استعمال کر کے طلبہ مدارس مختلف میدانوں میں حصولیابی درج کراتے رہے ہیں، جس کی مثالیں بہت نمایاں ہیں، ''برج کورس'' یقیناً اچھی پیش رفت ہے لیکن ایسی نہیں کہ اس کی بنیاد پر آپ کو مجدد ومحسن سمجھ لیا جائے اور آپ بڑی خوبصورتی سے اپنے گمراہ کن افکار کی تردید کو ''برج کورس'' کی مخالفت کہہ کر وائس چانسلر کی ہمدردی حاصل کریں، آپ کا یہ طرز عمل بالکل ایسے ہی ہے جیسے مغربی فکر اور زیغ وضلال کی تردید پر ماضی میں یہ کہا گیا کہ مولوی تو انگریزی پڑھنے کے ہی مخالف ہیں، یہاں بھی آپ مکر وفریب کی مختصر کہانی سن لیجئے ''برج کورس'' کا نظریہ ''Concept'' الیکٹریکل انجینئرنگ کے ایک سینیر استاد نے بعض اہل نظر سے مشورے کے بعد ڈیزائن کر کے سابق وائس چانسلر کے سامنے پیش کیا تھا، یہ نہ آپ کے ذہن کی اپج ہے اور نہ آپ کے سرپرست کا کرشمہ، بس قدرت باری کی ایک اور ڈھیل سمجھیے جو آپ کے حصہ میں آئی ہے لیکن اگر انجام پر یقین ہے تو آپ جانتے ہیں جھوٹ اور فریب کا انجام کیا ہوتا ہے۔ إنهم يكيدون كيدا واكيد كيدا (سورہ طارق ۱۵،۱۶) (ترجمہ: یہ دشمن مکر وفریب اور سازشوں میں لگے ہیں، ان کے خلاف میں تدبیر کر رہا ہوں) ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين (سورہ آل عمران ۵۴) (ترجمہ: دشمنوں نے چالیں چلیں اور اللہ کی تدبیر اپنا کام کرتی رہی اور اللہ تو بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں) اور فرمایا گیا والله يشهد إنهم لكٰذبون (سورہ توبہ ۱۰۷) (ترجمہ: اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں)

☆☆☆

یمن پر سعودی حملے:

سیاست بھی عجب چیز ہے، یہ کبھی خالق ومخلوق کی نظر میں محبوب بنا دیتی ہے اور تجدید دین کا کام لے لیتی ہے لیکن جب شیطان کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے تو اس کے عزائم ناپاک ہو جاتے ہیں، اہداف بدل جاتے ہیں مقاصد انسانیت سوز ہو جاتے ہیں۔

اکیسویں صدی کی یہ دوسری دہائی معلوم نہیں ابھی اور کیا کیا دکھائے گی، شام کا ماتم قلم ٹھیک سے کر نہ سکا کہ مصر نے لرزہ براندام کر دیا، مصر میں صالح انقلاب کی ناکامی میں سعودیہ کے کردار نے قلم پر سکتہ طاری کر دیا، خادم حرمین کا انتقال ہوا، اچانک ایسی خبریں نشر ہوئیں جن سے اندازہ ہوا کہ شاید سیاست میں کچھ تبدیلی آئے گی، موجودہ خادم حرمین ابھی کرسی پر ٹھیک سے پشت بھی نہ ٹیک پائے تھے کہ یمن کا سانحہ پیش آ گیا، ہم نے پہلے لکھا تھا!! اور ہم نے کیا لکھا یہ تاریخ کا اصول ہے کہ پیش رووں کی غلطیوں کا خمیازہ آئندہ نسلوں کو بسا اوقات صدیوں تک بھگتنا پڑتا ہے، بیسویں صدی کے اوائل میں جس طرح ملت فروش مسلمانوں کی مدد سے حکومت برطانیہ نے خلافت عثمانیہ کو ختم کیا اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں، عالم اسلام کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا

گیا، رفتہ رفتہ نئی تہذیب کی تجلیات نے عرب شاہوں کی عقل پر پردے ڈالنے شروع کیے، گردوپیش کے واقعات کی خبر کیا!! خود اپنے گھر کی سیاست سے وہ بے خبر رہے، اس دوران وقتاً فوقتاً ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں جن کے پیچھے اتحاد امت کا جذبہ کارفرما تھا یا ایران دوستی کی دہائی تھی، ایران کو سنبھلنے کا موقع ملا، مصر میں سعودیہ کے کردار نے اس کو تقویت دی بلکہ اس مسئلہ پر دونوں شانہ بشانہ کھڑے نظر آئے، امارات نے اس کے لیے اپنے دروازے کھول دیے، یمن میں جب انقلاب کی لہر اٹھی تو پھر مذہب بیزاروں کو مذہب پسندوں کے مقابلہ لادینوں سے مصالحت کرنی پڑی، علی عبداللہ صالح بھاگ کر سعودیہ گیا تو حکومت اس کے نائب عبدربہ منصور ہادی کے سپرد کی گئی، اس پورے تماشے میں سعودیہ اور خلیجی ممالک کا مکمل تعاون رہا، اگر اسی وقت یہ غلط فیصلہ نہ کیا گیا ہوتا اور انقلاب کے مکمل کامیاب ہونے کی راہ ہموار کردی جاتی تو آج حرمین شریفین کو لاحق خطرے کی دہائی نہ دی جاتی۔

آج سعودیہ کو خلیج فارس تعاون کونسل کی مدد سے یمن میں اپنی وہ توانائی خرچ کرنی پڑ رہی ہے جس کا برسوں سے ہمیں انتظار تھا کہ وہ شام میں اور شام کے راستہ فلسطینیوں کی مدد اور اقصی کی آزادی میں کب لگے گی، کاش شام میں سعودیہ نے دوہری پالیسی اور مصر میں گھناؤنا کردار ادا نہ کیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، آخر شام میں بھی تو ''حزب الات'' اور ایران کی مدد سے سنیوں کا قتل عام ہو رہا تھا ـــــ جو تا حال جاری ہے ـــــ پھر آخر وہاں رگِ حمیت کیوں نہ بھڑکی، اس موقع پر خلیجی ممالک کا رویہ ایران جیسا ہی کیوں رہا، وہ ایک طرف امریکہ کی شاطرانہ سیاست کا شکار بنتے رہے تو دوسری طرف خود ایران کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے، یہاں تک کہ آیت اللہ علی خامنہ ای کے اچھے دوست اور تہران کے رکن اسمبلی علی رضا زاکانی کا یہ بیان بڑے پیمانے پر شائع ہوا کہ ایران عراق شام لبنان و یمن چار عرب ممالک پر قبضہ کر چکا ہے، اب سعویہ کی باری ہے۔

یمن پر سعودیہ کے حملوں کی ان علماء نے تایید کی ہے جو سابقہ حکومت میں معتوب نظر تھے، عائض القرنی کا مدحیہ قصیدہ بھی نظر سے گزرا، سلمان العودہ کے تجزیاتی بیانات پر بھی نظر پڑی اور کانوں نے شیخ عبدالرحمٰن السدیس کا ولولہ انگیز خطبہ بھی سنا جس میں موصوف محترم نے اس کو ''اسلامی جنگ اور شیعہ سنی جنگ قرار دیا ہے''، لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ محض سعودیہ کا اپنا مسئلہ ہو اور خلیجی ممالک صرف ایران کے پس پردہ بڑھتے اثرات کو کم کرنے کے لئے کوشاں ہوں، دوسری طرف ہمارے یہاں وہ علماء بھی ہیں جو مصر کی منتخب حکومت کو گرانے پر بھی سعودیہ کی پرزور حمایت کر رہے تھے، اور اب یمن کی حکومت کو بچانے پر بھی خوب داد دے رہے ہیں، سابقہ پالیسیوں اور مستقبل کے خدشات کے پیش نظر اس جنگ کو ''فیصلہ کن طوفان'' قبول کرنے پر طبیعت تو آمادہ نہیں ہوتی لیکن ایران کے ناپاک عزائم، بڑھتے اثرات اور حرمین شریفین کی سلامتی اہل اسلام کو اس جنگ کے فیصلہ کن ہونے اور رب کریم سے اس کے بہتر نتائج پر منتج ہونے کی دعاء پر آمادہ کرتی ہے۔

یمن میں ۷۰ فیصد آبادی سنیوں کی ہے، ۳۰ فیصد آبادی میں دیگر فرقوں کے لوگ آباد ہیں، یمن کا کل رقبہ تقریباً ۲۸ ہزار مربع کلومیٹر ہے شمال کی طرف تقریباً ۱۵۰۰ ر کلومیٹر کی سرحد سعودیہ سے متصل ہے، حوثی زیدی شیعہ ہیں، زیدی شیعوں کو اہل سنت سے بہت قریب تصور کیا جاتا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایران کی تربیت نے انہیں بہت پہلے زیدی سے اثنا عشری بنا دیا، ابتدا سے ہی زیدیوں کا یہ الزام رہا کہ حکومت زیدیوں کی حق تلفی کرتی ہے، یمنی قوم کی اکثریت بلا امتیاز خط افلاس سے نیچے زندگی گزارتی

ہے، لیکن اکثریت انساب واقدار کی حفاظت کرتی ہے، یمن کا تقریباً ہر شخص مسلح ہے۔

حوثیوں کی باضابطہ تحریک ۱۹۹۲ء میں شروع ہوئی جب انہوں نے تحریک انصار اللہ کا نام اختیار کیا، اس کا بانی سربراہ بدر الدین الحوثی تھا، اس نے طاقت کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے عزم کا اظہار کیا، ابتدا سے ہی مسلح تربیت اور مذہبی تشخص کی حفاظت پر توجہ مرکوز کی، بدرالدین الحوثی کو ایران بلایا گیا وہاں وہ تقریباً ۸ سال رہا، اس درمیان ایران کی دولت اور تربیت نے اس کے عقائد وعزائم کو نئی جہت دی، کچھ عرصہ کے بعد اس کے بیٹے حسین الحوثی کو امام زماں کے نائب کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور حوثیوں کا سربراہ بنایا گیا، ایران میں حوثیوں کی تعلیمی اور فوجی تربیت کی گئی، یہ لوگ ایران ہی کی طرح امریکہ واسرائیل مردہ باد اور اسلام زندہ باد کے پرفریب نعرے بھی لگاتے رہے، ۲۰۰۴ء میں علی عبداللہ صالح کی فوج پر پہلی مرتبہ انہوں نے ۶ بڑے حملے کیے، ان ہی حملوں میں حسین بن بدرالدین مارا گیا، اس کی جگہ عبدالملک الحوثی کو سربراہ متعین کیا گیا، اس دوران بھی سعودی فورسز نے یمنی فوج کے ساتھ آپریشن میں حصہ لیا تھا، ایران نے تب بھی مکمل انکار کیا تھا کہ اس نے حوثیوں کا کوئی تعاون نہیں کیا، لیکن اسلحوں کے ذخائر اور اسلحوں سے بھرے جہاز کو جب یمنی فوج نے اپنے کنٹرول میں لیا تو واضح ہوگیا کہ ایران نے کس حد تک تعاون کیا تھا، یہ مسلح بغاوت پنپتی رہی تا آنکہ عالم اسلام میں صالح انقلاب کی ایک لہر اٹھی اس کی زد میں یمن بھی آیا، ایران نے عرب ممالک کی حکومتوں کی ناعاقبت اندیشی اور انجام کار سے ناواقفیت سے فائدہ اٹھایا اور عراق وشام پر تسلط مکمل کرنے کے بعد ۲۰/جنوری ۲۰۱۵ء کو اس جنگ کو فیصلہ کن مرحلہ میں داخل کردیا، جبکہ حوثیوں نے صدراتی محل پر دھاوا بول کر اس پر قبضہ کیا اور صدر بمشکل جان بچا کر عدن پہنچے۔

سچی بات یہ ہے کہ اگر یمن میں حوثیوں کو کامیابی حاصل ہوجاتی تو سعودیہ پر ایران کے قبضہ کا خواب اب اپنی تعبیر ڈھونڈنے میں مصروف ہوجاتا، یہ اقدام بروقت ہے جس سے براہ راست ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدمت اسلام مقصود ہے ___ کرسی اور خاندانی حکومت کی حفاظت بہرحال مقدم ہے ___ موجودہ فرمانروائے سعودیہ کے بارے میں ابھی کوئی تاثر قائم کرنا جلد بازی ہے البتہ لوگ ان سے خیر کی امید کررہے ہیں ___ ان کے کچھ اقدامات بھی ایسے ہیں جن سے بہرحال خیر کی امید جھلکتی ہے ___ بہرحال خطہ میں ایران کے بڑھتے اثر پر کاری ضرب ضروری ہے، ہم درحقیقت اس کو ''اسلامی جنگ اور شیعہ سنی جنگ'' تب تسلیم کریں گے جب یمن میں اسلام پسندوں کو موقع فراہم کیا جائے گا، ان کی مدد کی جائے گی، اس دور اندیشی کو دیکھیے کہ کل تک جو علماء سعودیہ کی مخالفت کررہے تھے آج وہ اس کی مدح میں قصیدے کہہ رہے ہیں، حالانکہ ابھی بھی کام بہت باقی ہے، جب تک شام میں اہلسنت کی حالت مستحکم نہیں ہوتی اور بشار کا جنازہ نہیں اٹھتا ___ جس کو اب انسان تسلیم کرنا بھی مشکل ہے ___ اور وہاں کے مظلومین کو انصاف نہیں ملتا تب تک ہم ان دعووں کو محض علاقائی سلامتی کی حفاظت پر محمول کرتے ہیں، اگر آج حوثیوں کی حمایت میں حزب اللہ اور ایران شانہ بشانہ کھڑے ہیں اگرچہ اخبارات اس کی تردید کریں تو شام میں ان کے کمانڈوز نے لاکھوں مظلوموں پر اپنی وحشت و درندگی کا تجربہ کیا ہے، کیا وہاں آقا امریکہ کی منشا کچھ اور تھی یہاں کچھ اور ہے؟؟ البتہ حرمین کی پامالی کا تصور اور اس پر اہل تشیع کے تسلط کے تصور سے ہی روح کانپ جاتی ہے، ماضی میں بھی اسی خدشہ کا اظہار کرکے عالم اسلام

کے ۵۵۰ علماء کوسعودی حکومت نے راضی کیا تھا اور امریکہ کی فوج حجاز مقدس میں ڈیرے ڈالنے میں کامیاب ہوگئی تھی......اب صورت حال کیا ہوگی ابھی کچھ کہنا ممکن نہیں البتہ حوثیوں کی سرکوبی یوں ضروری تھی کہ وہ ''سلطنت فارس'' کے عملی قیام کا آلہ کار اور اس کی توسیع میں جان کی بازی لگانے والے سپاہی تھے، مقاصد سے اگرچہ مکمل اتفاق نہ ہولیکن فیصلہ شاید بروقت ہے اور مستقبل میں شاید یہ فیصلہ مزید جرأت مندانہ فیصلے کرنے کا باعث بن جائے، اگر ایسا ہوا تو شاید امت کی بگڑی کچھ بن جائے، بہرحال گزشتہ دنوں سعودیہ کے اقدامات اور اسلام پسندوں سے رابطے کرنے کے باعث امید کی کرن تو جاگی ہے، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟؟ اس سلسلہ میں ترکی اور پاکستان کے موقف سے بھی قدرے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مقاصد سے مکمل اتفاق نہیں رکھتے___انھوں نے بھی انتظار وغور Wait & watch کی پالیسی کو ترجیح دی ہے، ترکی کے صدر نے ایران کو اپنی حدود میں رہنے کی تلقین کی ہے، انہوں نے اپنے اس عزم کو بھی دوہرایا ہے کہ مصر سے تب تک تعلقات بحال نہیں ہوتے جب تک مظلوموں پر ظلم بند نہیں ہوگا اور ان کی سزائیں معاف نہیں کی جائیں گی، شام کے سلسلہ میں بھی انہوں نے بشار کو ہٹائے جانے کا موقف دوہرایا ہے اور سعودیہ سے وقت پڑنے پر مشروط مدد کا وعدہ کیا ہے، پاکستان نے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا ہے کہ حرمین کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، اس پر کوئی آنچ آئی تو ہم سخت جواب دیں گے، سعودیہ کی علاقائی سالمیت کو خطرہ ہوا تو بھی ہم اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے لیکن ابھی ہم سیاسی حل کی حمایت کرتے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نـــوٹ

اس کانفرنس کا کلیدی خطبہ نامور مفکر، اسلامی اسکالر پروفیسر محمد الغزالی کا تھا،
یہ خطبہ خود اس کانفرنس کے مقاصد پر ایک ضرب تھا، اس سے اس کانفرنس کے پس پردہ مقاصد نہ صرف
پورے نہیں ہوتے بلکہ ان پر کاری ضرب لگتی ہے، ہم نے اسے حاصل کیا، مگر دیر سے موصول ہوا،
اس کو انگریزی سے افادہ عام کی غرض سے اردو میں منتقل کیا گیا، رسالہ کو پریس جانے میں تاخیر ہورہی تھی
اور ترجمہ مکمل تیار نہ تھا، انشاءاللہ آئندہ ماہ کے شمارے میں یہ فاضلانہ مقالہ
قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

(ادارہ)

گوشۂ سیرت (قسط-۱۵)

”اسلام- جس سے مجھے عشق ہے“

اسلام میں عورت کی حیثیت

تحریر: مسٹر اڈیار.................ترجمہ: ایم اے جمیل احمد

اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے کچھ غلط فہمیاں عورتوں کے بارے میں ہیں۔

اسلام سے پہلے عام طور سے ہر سماج اور ہر سوسائٹی میں عورت کو حقیر گردانا جاتا تھا۔ اس کی تحقیر کی جاتی تھی اور اس پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے تھے۔

☆ ہندوستانی سماج میں شوہر کے فوت ہونے پر شوہر کی لاش کے ساتھ بیوی کو بھی زندہ جلنا پڑتا تھا۔

☆ چین میں عورت کے پیر میں لوہے کے تنگ جوتے پہنائے جاتے تھے۔

☆ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے والے مصلحین قریبی دور ہی میں پیدا ہوئے ہیں لیکن ان سارے مصلحین سے صدیوں پہلے سرزمین عرب میں نبی کریمؐ صنف نازک کے محسن کی حیثیت سے نظر آتے ہیں اور صنف نازک پر ڈھائے جانے والے مظالم کا خاتمہ کردیتے ہیں۔

عورت کے حقوق سے ناآشنا عرب سماج میں آنحضورؐ نے عورت کو مرد کے برابر مساویانہ درجہ دیا۔ عورت کا جائداد میں کوئی حق نہیں تھا، آپؐ نے وراثت میں اس کا حق مقرر فرمایا۔ عورت کے حقوق کی وضاحت کے لیے قرآن میں فرامین واحکام نازل ہوئے۔

والدین اور دیگر رشتہ داروں کی جائداد میں عورتوں کو بھی وارث قرار دیا گیا۔

آج تہذیب کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے کئی ممالک میں عورت کو نہ جائداد کا حق ہے نہ ووٹ دینے کا۔ انگلستان میں عورت کو ووٹ کا حق ۱۹۲۸ء میں پہلی بار دیا گیا۔ ہندوستانی سماج میں عورت کو جائداد کا حق گذشتہ دنوں میں حاصل ہوا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال قبل ہی یہ سارے حقوق نبیؐ نے عورتوں کو عطا کیے۔ کتنے بڑے محسن ہیں آپؐ!

آپؐ کی تعلیمات میں عورتوں کے حقوق پر کافی زور دیا گیا ہے۔ آپؐ نے تاکید فرمائی کہ لوگ اس فریضہ سے غافل نہ ہوں اور منصفانہ طریقے سے عورتوں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ آپؐ نے نصیحت کی کہ عورتوں کو مارا پیٹا جائے۔

عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اس ضمن میں آپؐ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ اپنی بیوی کو مارنے والا اچھے اخلاق کا نہیں ہے۔

۲۔ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔

۳۔ عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنے کا خدا حکم دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ تمہاری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔

۴۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

۵۔ کوئی مسلمان اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی ایک عادت بری ہے تو اس کی دوسری اچھی عادت کو دیکھ کر مرد کو خوش ہونا چاہیے۔

۶۔ اپنی بیوی کے ساتھ غلام جیسا برتاؤ نہ کرو۔ اس کو نہ مارو۔

۷۔ جب تم کھاؤ تو اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اپنی بیوی کو بھی پہناؤ۔

۸۔ بیوی کو طعنہ نہ دو، چہرے پر نہ مارو، اس کا دل نہ دکھاؤ، اس کو چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔

۹۔ بیوی اپنے شوہر کی جگہ جملہ اختیارات کی حامل ملکہ ہے۔

۱۰۔ اپنی بیوی کے ساتھ جو اچھی طرح برتاؤ کریں گے وہی تم میں سب سے بہتر ہیں۔

اتنے حقوق عطا کرکے عورت کو آزاد بھی نہیں چھوڑا بلکہ اس کو بعض حدود کا پابند بھی کیا:

۱۔ جب شوہر دیکھے تو خوش ہوجائے۔ جب حکم دے تو اطاعت کرے۔ شوہر اگر دور ہو تو اس کی ملکیت اور اپنی عفت کی حفاظت کرے۔ ایسی ہی

عورت معیاری بیوی سمجھی جائے گی۔

۲۔ اچھے اخلاق کی بیوی کا میسر ہونا بے نظیر دولت کے مترادف ہے۔

۳۔ جو پنجگانہ روزانہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اپنی عفت کی حفاظت کرے اور ایسی خاتون جس راہ سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

۴۔ دنیا کی ساری دولت سے زیادہ قیمتی شے عفت مآب بیوی ہے۔

اس طرح آپؐ نے عورت کو حقوق بھی عطا کیے اور اس کے فرائض سے بھی آگاہ فرمایا۔

اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اتنے سارے حقوق عطا کرنے والے اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت کیوں ہے؟ کیا یہ عورتوں پر صریح ظلم نہیں ہے؟

اس سلسلہ میں ہمیں تاریخ، مرد کی فطرت اور زندگی کے عملی مسائل کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ہندوستان کے راجہ دشرتھ کے کئی بیویاں تھیں۔ اسی طرح کرشن جی کو بھی ہم رکمنی، ستیہ با اور رادھا کے علاوہ بیشمار گوپیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

وتی عورتوں کے ساتھ مرگن جیسے دیوتا کو ہم عیش کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ یہ تو تھی قدیم زمانہ اور پرانوں کی بات۔ اب تاریخی واقعات کو لیجئے۔

بڑے بڑے راجاؤں کے یہاں ایک سے زائد بیویاں ہوتی تھیں۔

تمل ناڈ کے کٹا بمن کے گھر کئی بیویاں تھیں۔

آج بھی بعض سیاسی لیڈر کئی بیویاں رکھتے ہیں۔

اسلام سے پہلے عرب میں بیویوں کی تعداد پر کوئی حد بندی نہیں تھی۔ نبی کریمؐ نے مرد کی نفسیات اور عملی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اس لامحدود تعداد کو چار تک محدود رکھا۔

اسلام سے پہلے عرب دنیا میں شادی کا کوئی خاص ضابطہ نہ تھا۔ گروہ درگروہ بیویاں اور لونڈیاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ اسی طرح طلاق پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی جس نے جب چاہا طلاق دیدی۔ ان حالات کی اصلاح کے لیے خدا کے احکامات آئے، محدود تعداد میں شادی کی اجازت دی گئی اور طلاق کے سلسلہ میں مناسب آداب اور ضابطہ کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ قرآن میں فرمایا گیا:

''تمہیں اگر اندیشہ ہو کہ یتیم بچوں کی پرورش بغیر نکاح کیے نہ ہوسکے گی تو اپنی پسند کی دو تین یا چار عورتوں سے تم عقد کرسکتے ہو۔ (یہ اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ بھی تم انصاف نہ کر پاؤ گے تو) ایک عورت یا لونڈی پر ہی بس کرو بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ آسان طریق کار ہے۔ (نساء:۶)

اس ہدایت میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان پر غور فرمایئے۔ عدل و انصاف اور سچائی کے ساتھ منکوحہ کے ساتھ پیش آؤ۔ تعدد ازدواج کی اجازت بھی ہے اور اسی کے ساتھ ناانصافی سے بچنے کی تاکید بھی۔ عدل و انصاف ممکن نہ ہو تو ایک شادی ہی پر زور دیا گیا ہے۔

مرد کو کسی بھی وقت اپنی جنسی پیاس بجھانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس لیے کہ اسے قدرت نے ہر حال میں ہمیشہ جنسی فعل کے قابل بنایا ہے جبکہ عورتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

ماہواری کے ایام میں، حمل کے زمانہ میں (نو دس ماہ)، زچگی کے بعد کے چند ماہ عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر مباشرت کرسکے۔

سارے ہی مردوں سے یہ توقع رکھنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ نہایت ضبط و صبر سے کام لیں گے اور جب تک ان کی بیویاں اس قابل نہیں ہوجائیں کہ وہ ان کے پاس جائیں وہ اپنے کو جنسی فعل سے باز رکھیں گے۔ مرد جائز طریقہ سے اپنی ضرورت پوری کرسکے۔ ضروری ہے کہ اس کے لیے راہیں کھولی جائیں اور ایسی تنگی نہ رکھی جائے کہ وہ حرام راستوں پر چلنے کو اپنے کو مجبور پائے۔ بیوی تو اس کی ایک ہو مگر آشنا عورتوں کی قید نہ رہے۔ اس سے سوسائٹی میں جو گندگی پھیلے گی اور جس طرح اخلاق و کردار برباد ہوں گے اس کا اندازہ کرنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

زنا اور بدکاری کو حرام قرار دے کر تعدد ازدواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین دین اسلام ہے۔

ایک سے زائد شادیوں کی کچھ حدود کے ساتھ اجازت دے کر دراصل اسلام نے مرد اور عورتوں کی جسمانی ساخت، ان کی نفسیات اور عملی ضرورت کا پورا لحاظ کیا ہے اور اس طرح ہماری نگاہ میں اسلام عین ایک سائنٹفک مذہب ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆

خاص تحریر

حرمین کا پیغام
خادم الحرمین کے نام

❑ پروفیسر محسن عثمانی ندوی

سیاست کی راہ بھی بڑی عجیب وغریب ہوتی ہے، کبھی گلزار کبھی خارزار، کبھی آسان کبھی دشوار، کبھی شاخ گل کبھی تلوار، ہم حرم مکی ہیں اور ہم حرم مدنی ہیں، ہم صرف دین محمدی کے ترجمان اور شریعت کے پاسبان ہیں، ہمارے مینارے پورے عالم اسلام پر نظر رکھتے ہیں، ہم سیاست کے نشیب وفراز سے واقف ہیں اور حالات کی کروٹوں پر نظر رکھتے ہیں۔ جو بھی اسلام اور مسلمانوں کیلئے صحیح کام کرتا ہے ہم اس کے لئے دل سے دعا گو ہوتے ہیں اور جو بھی غلط کام کرتا ہے چاہے وہ اسی سرزمین کا فرماں روا ہی کیوں نہ ہو ہماری روح اس کو ماننے سے ابا کرتی ہے۔ کسی حکومت سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہم سے محبت کرنے والے ایک ہندوستانی شاعر نے اپنے بارے میں جو کہا تھا وہی شعر مجھ پر صادق آتا ہے

جہاں بنی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

ہمارے ہی میناروں نے کل سعودی حکومت کی عبد الفتاح سیسی نوازی پر اور اخوان دشمنی پر خون کے آنسو بہائے تھے، آج ہمارے ہی مینارے آپ کی، خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز کی، حوثیوں کی یورش کو کچلنے کی کوشش پر اور سیاست میں صحیح روش اختیار کرنے پر تعریف کرنے پر مجبور ہیں، یمن میں یہ اقدام دین اسلام کا عین تقاضہ ہے اور اسلام کی حفاظت کے لئے ایک صحیح اور ضروری قدم ہے،

خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کی عزت ہمارے نام سے ہے، ساری دنیا میں آپ کا نام محترم ہی اسی لئے ہے کہ اس میں ہماری طرف یعنی حرمین نسبت کی گئی ہے، ساری دنیا میں مسلمانوں کے طائر روح کا نشیمن حرمین کی سرزمین ہے وہ اس کے لئے اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ نثار کر سکتے ہیں، چونکہ آپ کی نسبت حرمین کی طرف ہے اس لئے آپ کے صحیح اقدام سے تمام مسلمانوں کو خوشی ہوتی ہے، اس وقت آپ نے یمن میں جو اقدام کیا ہے وہ درست بھی ہے اور بروقت بھی ہے، علی عبد اللہ صالح نے شیعہ حوثیوں سے مل کر اور ایران کے تعاون سے ہادی منصور کی جائز حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کی، ہمارے

میناروں نے اسلحہ سے بھرے ہوئے پانی کے جہاز دیکھے ہیں جو ایران سے بھیجے گئے تھے تاکہ ملک کے اندر خلفشار پیدا کیا جائے اور شیعت کے قدم جمائے جائیں اور حرمین کی سرزمین کو شہ مات دی جائے ۔ اس طرح یمن میں ایرانی سرگرمیوں نے سعودی عرب کے لئے داخلی سلامتی کا مسئلہ پیدا کر دیا تھا اس لیئے سعودی عرب کو اس کا نوٹس لینا ہی تھا، جب ملک کے پایہ تخت صنعاء پر حوثیوں نے جارحانہ کاروائی کے ذریعہ قبضہ کر لیا تھا اور قصر صدارت کو زیر نگین کر لیا تھا اور ہادی منصور کو جو یمن کے جائز اور دستوری فرماں رواں ہیں اور دنیا کے تمام ملک ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں بیرون ملک پناہ لینی پڑی تھی اس وقت یمن کے فرماں رواں منصور ہادی نے حوثیوں کی جارحیت کے خلاف سعودی عرب سے مدد طلب کی تھی دنیا کے ہر قانون کے تحت یمنی صدر کی مدد کے لئے سعودی عرب کا یہ اقدام درست ہے اس پر ایران کو اور اخبارات میں ایران کی لابی کو واویلا کرنے کی کوئی ضرورت نہں ۔ آج ایرانی لابی اخبارات میں اس خبر کو اس طرح پیش کر رہی ہے جیسے سعودی عرب نے کسی جارحیت کا ارتکاب کیا ہے ۔ شام اور عراق میں ایران کی کھلی ہوئی جارحیت پر یہ اخبارات خاموش رہتے ہیں ۔ شام میں جو ناقابل بیان ظلم ہوا ہے چشم فلک نے اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں دیکھی ہے۔

خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز، آج کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ آپ کی حکومت نے ایرانی جہاز کو ہوائی اڈے پر اترنے نہیں دیا اس میں عازمین عمرہ سوار تھے، اور یہ اس وجہ سے کہ پہلے سے جہاز کی روانگی کی کوئی اطلاع تھی اور نہ سعودی عرب میں اترنے کا اجازت نامہ۔ بظاہر تو یہ بات مشہور کی جائیگی کہ عازمین عمرہ کو عمرہ سے روکا گیا لیکن اس غلطی کی تو بہر حال سزا ملنی ہی چاہیئے تھی کہ پہلے سے اس کی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور نہ سعودی عرب میں جہاز کے اترنے کی اجازت حاصل کی گئی تھی ۔ میری آنکھوں نے اپنی دور بینی نگاہوں سے شام میں ایرانی حکومت کی اور حزب اللہ کی سفاکانہ غارت گری دیکھی ہے۔ تین لاکھ معصوم جانیں شام میں ہلاک ہو چکی ہیں اور بیس لاکھ پناہ گزین ہیں اگر چہ بظاہر یہ کارروائی بشار الأ سد کی ہے لیکن اگر بشار کی حمایت میں ایران کا پنجہ سفاک اور دست غارت گر نہ ہوتا تو بشار کو بہت پہلے ملک چھوڑ دینا پڑتا۔ لاکھوں معصوم بچوں عورتوں اور مردوں کے قتل کے خون کے دھبے ایران کے دامن پر ہیں۔ اگر اس کی پاداش میں سعودی عرب ایران کے تمام عازمین حج وعمرہ کو اس وقت تک کے لئے حج اور عمرہ سے روک دے جب تک ایران شام وعراق میں ظلم وسفاکی سے دست کش اور دامن کش نہیں ہو جاتا ہے تو سعودی عرب کا یہ اقدام غلط نہیں ہوگا۔ آخر شام کے لاکھوں مظلوموں کی دادرسی کیسے ہوگی، اور ملک شام کی سیاہ رات کب ختم ہوگی؟ ایران کے توسیع پسندانہ عزائم بہت خطرناک ہیں، شام پر اس کا قبضہ، عراق پر اس کا قبضہ، لبنان پر اس کا قبضہ، یمن اور بحرین اس کے نرغے میں، مکروفریب کے حربہ پر وحدت اسلامی کے نعرہ کی نقاب ڈالی جاتی ہے ۔ آخر وہ کب وقت آئیگا کہ ایران کے بے پناہ ظلم وستم کے خلاف اسلامی ملک حرکت میں آئیں گے۔ اسلام اور عالم اسلام کو سب سے بڑا خطرہ ایران سے

ہے،کسی کو غلط فہمی نہ ہو،ہم شیعہ اور سنی کی بات نہیں کرتے ہیں ،شیعیت تو یزید کے مقابلہ میں حق کا اور امام حسین کے ساتھ دینے کا ایک تاریخی حوالہ ہے، کیا ایران کو شیعیت یہی سکھاتی ہے کہ وہ یزید سے زیادہ بدکردار بشار کی حمایت کرے جس کی حکومت کا کوئی جواز موجود نہیں اور ان اسلام پسند جماعتوں سے لڑے جو شام میں اقتدار کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ہم خادم الحرمین سے یہ نہیں کہتے کہ وہ شیعہ مسلک کے لوگوں کو حج اور عمرے سے روک دے لیکن اگر وہ ایران سے حج اور عمرہ پر آنے والوں پر روک لگا دے تو یہ اقدام پورے طور پر قرین انصاف ہوگا۔ ایران کی موجودہ حکومت حسینیت کی نہیں یزیدیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران میں ہزاروں ہزار شیعہ ہیں اور ان میں بعض مرجعیت کا درجہ رکھتے ہیں جو شام کے سلسلہ میں اپنی حکومت کی پالیسی سے ناراض ہیں اور اس پالیسی کو شیعہ مخالف پالیسی سمجھتے ہیں۔ اور عرب چینلس پر ان کے انٹرویو نشر ہو چکے ہیں۔

عالی مرتبت جناب خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز! آپ کی عالی مقامی ہمارے دم سے ہے، ہمارے مینارے جو باتیں گوش گذار کر رہے ہیں انہیں غور سے سنئے، دنیا کے تمام مسلمانوں نے آپ کی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، آپ نے اقتدار سنبھالتے ہی فوراً خالد التویجری کو بڑے بھائی کی تدفین سے پہلے ہی معزول کر دیا، آپکو شاید اندازہ نہ ہو کہ عالم اسلام میں ہر گھر میں اس خبر کے چرچے تھے کیونکہ گذشتہ عہد میں آپ کے بڑے بھائی کی بیماری اور معذوری کا فائدہ اٹھا کر کے سارے غلط فیصلے اسی شخص نے کرائے تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ عالم اسلام کی مسلم اور محترم دینی جماعت الاخوان المسلمون کو دہشت گرد قرار دینے میں بھی اسی تویجری کا ہاتھ تھا۔ اور پھر اخوان کی جمہوری اور دستوری حکومت کو ختم کر کے عبد الفتاح سیسی جیسے فاسد اور مفسد شخص کی حمایت اور مالی مدد بھی اسی تویجری کے ایماء اور اشارے پر ہوئی تھی، آج ہزاروں مظلوم اور بے کس اور بے سہارا لوگ مصر کی جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں اور سینکڑوں کو پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ آپ کے اقتدار کے تخت پر جلوس افروز ہونے سے ان مظلوموں کے لئے امید کی کرن پیدا ہوئی ہے کہ آپ حصار ظلم کو گرائیں گے فصیل جور وستم کو منہدم کریں گے، وہاں اندھیری رات ختم ہوگی اور نیا سورج طلوع ہوگا۔ مسلمانوں کو مایوس مت کیجئے، آپ مصر پر دباو ڈالئے، بے قصور لوگوں کو رہا کروائیے۔ جب لوگوں کو صحیح یا غلط یہ خبر ملی تھی کہ عبد الفتاح سیسی جب آپ سے تعزیت کے لئے ملنے آئے تو آپ نے ان سے ملنا پسند نہیں کیا، آپکو اندازہ نہیں ہوگا ہزاروں لاکھوں مسلمان گھروں میں کیسی خوشی اور مسرت کی لہر اس خبر سے دوڑ گئی تھی، دنیا کے مسلمان آپ سے یہ امید لگائے ہوئے ہیں کہ آپ اپنے پیش رو کی غلطیوں کو بہ تدریج ٹھیک کریں گے اور سعودی عرب کے وقار کو پورے طور پر بحال کریں گے۔

محترم المقام خادم الحرمین الشریفین! میری دور بین آنکھوں نے عالم اسلام کی دینی کانفرنسوں کو دیکھا ہے اور علماء مشائخ اور اہل دین کی آوازیں میرے کانوں تک پہونچی ہیں۔ میرے کانوں کو دنیا کے بہت سے ملکوں اور بین الاقوامی

کانفرنسوں میں تقریریں کے سننے کا موقع ملا ہے۔عبد الفتاح سیسی جیسے مجرم کی مدد نے سعودی عرب کی شہرت کوداغدار کیا تھا، میں اگرچہ حرم کا مینار ہوں لیکن اللہ کے فضل سے میری قوت مشاہدہ بہت تیز ہےاور میری قوت سماعت حیرت انگیز ہے، آپ یقین کیجئے کہ میں نے جو کچھ اس وقت آپ سے کہا ہے یہ پورے عالم اسلام کی آواز کی صدائے بازگشت ہے ہمیں نہیں معلوم کہ یہ آواز آپ کے کانوں تک پہونچی ہے یا نہیں پہونچی ہے۔ساری دنیا میں آپ کے جو سفارت خانے ہیں ان کا کام ہے کہ عالم اسلام کے جذبات کو آپ تک پہونچائیں اس لئے کہ عالم اسلام آپ سے جتنی محبت کرتا ہے اور کسی سے نہیں کرتا اور یہ آپ کی بھی ذمہ داری ہے کہ عالم اسلام کو اعتماد میں لیکر وہ قدم اٹھائیں جس سے اسلام سرسبز وسر بلند ہو۔اس وقت شام کے معصوم باشندوں کی داد رسی کرنا اور ان کو ظلم سے بچانا اور ایران کو کیفر کردار تک پہونچانا آپ کی منصبی ذمہ داری ہے۔

میری جانب نسبت کرنے والے معزز ومکرم خادم الحرمین ، میں نے جو باتیں آپ کے گوش گذار کی ہیں وہ آپ کے التفات کی مستحق ہیں ، میں مینارہ حرم ہوں لیکن خدا نے مجھے زبان دی ہے﴿ انطقنا الذی انطق کل شي ﴾

آپ نہ صرف یمن کا بلکہ ایران کی ریشہ دوانیوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیجئے ۔یمن میں اس وقت آپ کا اقدام سوفی صد درست ہے،اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اخبارات میں بھی ایرانی لابی اتنی طاقتور ہوگئی ہے کہ اس میں حق بات کو سامنے آنے نہیں دیا جاتا ہے۔کوئی ایران پر تنقید کرے یا عراق کے حکمراں پر تو وہ بیان شائع نہیں ہوسکتا ہے ، شام میں حکومت کے خلاف لڑنے والوں کی مذمت میں بیان شائع ہوگا لیکن بشار اور ایران کی مذمت میں کوئی بیان یا مضمون شائع نہیں ہوسکے گا اور یمن میں سعودی حکومت کے جائز اقدامات کی کوئی حمایت کرے تو اخبارات میں یہ خبر تشنہ طباعت رہ جائے گی ،کوئی ایسی خبر زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکے گی جس میں سعودی حکومت کی حمایت ہو اور ایران موضوع تنقید ہو۔ ابھی کچھ دن پہلے ہندوستان میں عربی زبان کے اساتذہ کی انجمن کی طرف سے یمن کے سلسلہ میں سعودی عرب کی حمایت میں بیان جاری کیا گیا تھا انہیں اخبارات میں عام طور جگہ نہیں مل سکی۔ ان چیزوں کا نوٹس لینا اور مناسب اقدام کرنا آپ کے سفارت کاروں کا کام ہے ۔ یہ سفارت کاروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جانیں کہ وہ کون سے اخبارات ہیں جو سعودی عرب کو طاقتور اور معزز دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ کون سے اہل قلم ہیں جو سعودی عرب سے محبت کرتے ہیں اور کبھی تنقید بھی کرتے ہیں تو بر بنائے اخلاص اور ایک دینی فریضہ کے طور پر۔آنکھ بند کرکے ہر اقدام کی حمایت کرنا انہوں نے سیکھا ہی نہیں ہے کیونکہ قلم ان کے ضمیر کی ایک امانت ہے اور عدل کی میزان ہے، انہیں نہ حرص لطف وکرم ہے نہ خوفِ خمیازہ۔انہیں نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا۔بعض کم فہم سفارت کار ایسے مخلص لوگوں کو اپنا مخالف سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف حکومت میں رپٹ لکھواتے ہیں۔

☆☆☆

بحث و تحقیق

خبر آحاد اور منکرین حدیث

تحریر: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی .... تلخیص وترجمانی: محمد فرید حبیب ندوی

محدثین کے نزدیک حدیث کی دو قسمیں ہیں:

متواتر: وہ حدیث جسے عادل اور ثقہ راویوں کی ایک بڑی جماعت نے اسی طرح کی عادل اور ثقہ بڑی جماعت سے روایت کیا ہو اور اس طرح یہ سلسلہ آنحضرت ﷺ تک جا پہنچا ہو۔

آحاد: وہ حدیث جسے ایک یا دو راوی ایک سے یا دو سے روایت کرے، اور یہ سلسلہ آنحضرت ﷺ تک جا پہنچے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ وہ حدیث جسے اتنے راوی روایت کریں جن کی تعداد متواتر سے کم ہو۔

حنفیہ کے یہاں حدیث کی ایک تیسری قسم اور بھی ہے جسے **مشہور** کہا جاتا ہے، یہ وہ حدیث ہے جو شروع میں آحاد ہو اور دوسری تیسری صدی میں متواتر ہوگئی ہو جیسے إنما الأعمال بالنیات۔

نظّام اور ان جیسے چند لوگوں کے سوا تمام علماء کے نزدیک متواتر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔ اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

خبر آحاد کے بارے میں جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، اور اس پر بھی عمل واجب ہے۔

امام احمد، حارث بن اسد محاسبی، حسین بن علی کرابیسی اور امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس پر عمل واجب ہے، ہر ایک کے دلائل کتب میں موجود ہیں۔

لیکن یہ متفق علیہ ہے کہ خبر آحاد حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے، رافضی، قاسانی، ابن داؤد اور بعض کے نزدیک معتزلہ اس کی حجیت کے منکر ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اہل ظاہر بھی اس کی حجیت کے منکر ہیں مگر ان کی بات صحیح نہیں۔

منکرین حجیت کی دلائل:

۱۔ قرآن کی آیت: ولا تقف ما لیس لك به علم (النجم:۳۶) اور إن الظن لا یغنی من الحق شیئا (النجم:۲۸) اس میں ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے اور خبر آحاد سے علم ظنی ہی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اگر خبر آحاد فروعات میں واجب العمل ہیں تو

عقائد میں بھی واجب العمل ہونی چاہئیں، جبکہ اس بات کو آپ بھی نہیں مانتے۔

۳۔ حضور پاک علیہ السلام نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، جب حضرت ذوالیدینؓ نے بتایا تو آپ نے محض ان کے بتانے پر عمل نہیں کیا تا آنکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر حاضرین نے اس کی تائید کی۔

۴۔ صحابہ کی ایک تعداد خبر آحاد پر عمل نہیں کرتی تھی، مثلاً حضرت ابوبکرؓ نے دادی کی میراث سے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کو رد کر دیا تھا، جب محمد بن مسلم نے اس کی تصدیق کی تو آپ نے اسے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے طلب اذن کے بارے میں حضرت ابوموسی اشعریؓ کی روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، جب ابوسعیدؓ نے اس کے حق میں شہادت دی تو آپ نے اسے مانا، ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حکم بن العاص کو واپس مدینہ بلانے کے بارے میں حضرت عثمانؓ کی روایت کردہ حدیث کو تسلیم نہ کیا، حضرت علیؓ نے ابوسنان اشجعیؓ کی روایت منکوحہ بلامہر کے بارے میں مسترد کر دی تھی، حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ قسم لئے بغیر کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو تسلیم نہ کیا تھا جس میں ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

جوابات:

۱۔ جس ظن کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد عقائد اور اصول کے باب میں ظن پر عمل کرنا ہے، ورنہ فروع و جزئیات میں تو ظن پر عمل کرنا از بس ناگریز ہے، کیوں کہ جزئیات کو صرف ظنی دلائل کے ذریعہ ہی معلوم کیا جا سکتا ہے، اور نصوص قرآنی کے فہم میں صحابہؓ میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، اس اختلاف کا اثر مجتہدین پر بھی پڑتا ہے، اس کی وجہ سے ایک ہی مسئلہ میں مجتہدین کی آراء میں اختلاف ہو جاتا ہے، اور مجتہدین میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میرا اجتہاد قطعی اور حتمی ہے، بایں ہمہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ حاصل اجتہاد پر عمل واجب ہے۔

دوسری بات یہ کہ خبر آحاد کی حجیت ظنی نہیں بلکہ یقینی ہے، کیوں صحابہ کے دور سے لے کر اب تک اس کی حجیت پر اجماع منعقد ہوتا چلا آ رہا ہے، (چند لوگ جو اس کی حجیت کے منکر ہیں ان کی مخالفت سے اس اجماع پر کچھ اثر نہیں پڑتا) لہذا نتیجہ کے اعتبار سے خبر واحد پر عمل کرنا ایک دلیل ظنی کی پیروی نہیں بلکہ ایک قطعی دلیل کا اتباع ہے جس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے اور وہ اجماع ہے۔

۲۔ اصول اور فروع میں اس سلسلہ میں فرق ضرور کرنا پڑے گا، بقول آمدی کے: فتوی اور شہادت میں تو ہم خبر واحد پر عمل کر لیتے ہیں لیکن رسالت اور نبوت کے اثبات کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے، دلیل ظنی کا اس میں اعتبار نہیں، لہذا اس سلسلہ میں فروع کو اصول پر قیاس کرنا ناممکن اور محال ہے۔

۳۔ ذوالیدین کی بات تسلیم نہ کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ ایک شخص کی خبر تھی، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ ذوالیدین کو وہم ہو گیا ہو، بعد میں جب یہ بات دور ہوئی تو آپ نے اسے تسلیم کر لیا، اور خبر واحد کے

بارے میں اصول یہی ہے کہ اگر اس میں وہم کا امکان ہو تو توقف واجب ہے۔

۴۔ صحابہ کا خبر واحد پر عمل کرنا تواتر اً ثابت ہے، جو چند مثالیں منکرین نے پیش کی ہیں ان کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے، بلکہ ان مواقع پر قبول نہ کرنا یا تو کسی شک کی وجہ سے تھا، یا وہم کی وجہ سے یا مزید اس کی تحقیق کے لئے، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا تھا، میں تم کو کوئی تہمت نہیں دیتا، بلکہ دراصل یہ حدیث رسول کا معاملہ ہے۔

خبر واحد کی حجیت کے بارے میں امام شافعیؒ کے دلائل: امام صاحب نے "الرسالہ" میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نضر الله عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها وأداها الخ.. آپ نے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا حکم فرمایا، اس کا مطلب یہی ہے کہ جس تک بات (حدیث) پہنچائی جائے اس کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے، ورنہ اس تک پہنچانے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ (اس سے کوئی بحث نہیں کہ پہنچانے والا ایک ہے یا دو)

۲۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس حال میں نہ پایا جائے کہ اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، جب میرا کوئی حکم اس تک پہنچایا جائے تو کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی بات قرآن میں موجود نہ ہو، بلکہ حدیث سے ثابت ہو تو اس پر بھی عمل واجب ہے۔

۳۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کا روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا، وہ آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے آئیں، حضرت ام سلمہؓ نے انہیں بتایا کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ بھی کرتے ہیں، واپس جا کر انہوں نے شوہر کو بتایا مگر وہ مطمئن نہ ہوئے، دوبارہ پھر آئیں تو آپ ﷺ بھی موجود تھے، آپ نے حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا کہ یہ عورت کیوں آئی ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے وجہ عرض کی: آپ نے فرمایا کہ ام سلمہ تم نے انہیں بتا کیوں نہ دیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کا بتا دینا ان کے لئے کافی تھا اور ان کے لئے اس پر عمل کرنا واجب تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ یہ نہ کہتے کہ تم نے بتا کیوں نہ دیا۔

۴۔ صرف ایک شخص کے بتانے پر صحابہ کرام جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔

۵۔ شراب کی محفل جمی ہوئی تھی، انسؓ بن مالک فرماتے ہیں: میں حضرت ابوطلحہ، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک صاحب نے آ کر کہا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے، صرف ایک شخص کے کہنے کی وجہ سے ساری شراب بہا دی گئی اور برتن توڑ دئے گئے۔

۶۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت انیسؓ کو حکم دیا کہ فلاں شخص کی بیوی نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے، اس کے یہاں جاؤ، اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔

۷۔ صحابہ منیٰ میں قیام پذیر تھے کہ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کی طرف سے اس دن روزہ رکھنے کی ممانعت کا

اعلان کیا، کسی نے بھی یہ کہہ کر ماننے سے انکار نہیں کیا کہ بتانے والا فرد واحد ہے۔

۸۔ یزید بن ابی شیبان روایت کرتے ہیں کہ ہم عرفات میں ایسی جگہ مقیم تھے جو امام سے بہت ہی دور تھی، ہمارے پاس مربع انصاریؓ آئے اور کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اکرم کا قاصد بن کر آیا ہوں، آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ (صرف ایک شخص نے یہ اعلان کیا اور سب نے تسلیم کیا۔)

۹۔ ۹ھ میں آپ ﷺ نے حضرت صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا، تمام حجاج کو آپ نے مناسک ادا کرائے اور آپ ﷺ کے ارشادات سے مطلع کیا۔

۱۰۔ اس سال آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۃ التوبہ کی آیات لے کر بھیجا۔

۱۱۔ آپ ﷺ نے مختلف لوگوں کو مختلف علاقوں میں عمال بنا کر بھیجا، قیسؓ بن عاصم، زبرقانؓ بن بدر اور ابن نویرہؓ کو اپنے اپنے قبیلہ کی جانب عامل بنا کر بھیجا، حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا، وہاں کے لوگوں نے ان کی بات ماننے سے اس وجہ سے کہیں انکار نہ کیا کہ آپ اکیلے ہیں۔

۱۲۔ آپ نے مختلف سرایا بھیجے اور ہر ایک پر ایک ہی امیر بنا کر بھیجا، جن لوگوں کو دعوت نہیں پہنچی تھی وہ ان کو دعوت دیتے اور جن سے لڑنا جائز ہوتا ان سے لڑتے، کسی بھی موقع پر آپ نے دو یا چار کو امیر نہیں بنایا۔

۱۳۔ آپ نے ایک ہی زمانہ میں بارہ سلاطین کی طرف بارہ صحابہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ (ایک کی طرف ایک ہی کو۔)

۱۴۔ آپ ﷺ اپنے عمال کی طرف قاصدوں کے ذریعہ خطوط بھیج کر ہدایات صادر فرماتے تھے۔ (قاصد اکیلا ہوتا تھا)

۱۵۔ آپ کے بعد خلفاء بھی خطوط کے ذریعہ ہدایات بھیجتے رہے، مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا ہے کہ خلیفہ ایک ہو، امیر اور قاضی ایک ہو۔

۱۶۔ قاضی اور والی جو فیصلے کرتے ہیں وہ نافذ ہوتے ہیں، وہ شرعی حدود بھی قائم کرتے ہیں، اور ان کے احکام ان کے بعد بھی نافذ ہوتے رہتے ہیں۔ (قاضی ایک ہی ہوتا ہے)

۱۷۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا تھا کہ ہاتھ کے انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ، انگشت شہادت کی دس اونٹ، درمیانی انگلی کی دس، اس کے ساتھ والی کی نو اور چھنگلیا کی چھ اونٹ ہے (امام شافعی فرماتے ہیں) حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو حضور اکرم ﷺ کا یہ فیصلہ معلوم تھا کہ آپ نے ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ مقرر کی تھی، اور ہاتھ کے پانچ اجزاء ہیں، جن میں سے ہر ایک جداگانہ حسن و جمال اور فائدہ کا حامل ہے، اس لئے حضرت عمر نے ہر انگلی کی حیثیت کے مطابق پانچ انگلیوں کی دیت پورے ہاتھ کے برابر قرار دی، جب ہم نے آل عمرو بن حزم کے نام لکھا ہوا آپ ﷺ کا خط پڑھا تو اس میں آپ کا یہ فرمان موجود پایا کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے، جب لوگ اس خط سے آگاہ ہوئے تو اس پر عمل کرنا شروع کر دیا اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو چھوڑ دیا۔

اس حدیث سے کئی باتیں سامنے آئیں:

☆۔ حدیث نبوی جب بھی مل جائے اسے قبول کر لینا چاہیے۔

☆۔ اگر کسی حدیث پر ائمہ دین نے پہلے عمل نہ کیا ہو تو جب بھی وہ مل جائے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

☆۔ اگر امام کسی بات پر قبل ازیں عمل کر رہا ہو، پھر اس کے خلاف اسے حدیث نبوی مل جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے عمل سے باز رہے۔

☆۔ حدیث نبوی بذات خود ثابت ہو جاتی ہے، کسی کے عمل سے نہیں۔

☆۔ جب یہ حدیث صحابہ کو ملی تو کسی نے بھی یہ بات نہ کہی کہ مہاجرین و انصار کے سامنے حضرت عمرؓ کا عمل اس حدیث کے خلاف تھا، بخلاف ازیں سب نے بلا چوں و چرا حدیث پر عمل کیا اور اس کے مخالف عمل کو ترک کر دیا۔

☆۔ اگر فاروق اعظم کو بھی یہ حدیث مل جاتی تو اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر لیتے۔

☆۔ حدیث کی عدم موجودگی میں رائے اور قیاس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

☆۔ حدیث ملنے پر اپنا ذاتی عمل چھوڑنا ہوگا۔

☆۔ کسی کا عمل حدیث نبوی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا خواہ عامل کوئی بھی ہو۔

۱۸۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ دیت وارثوں کو ملے گی، اور بیوی اپنے خاوند کی دیت سے وارث نہ ہوگی، مگر جب حضرت ضحاکؓ نے آپ کو بتایا کہ حضور اکرم ﷺ نے لکھا تھا کہ اشیم ضبانی کی بیوی کو اس کی دیت میں سے حصہ دیا جائے، تو حضرت عمر نے اپنا قول چھوڑ دیا۔ (جب کہ بتانے والا صرف ایک ہی تھا۔)

۱۹۔ جنین کے بارے میں حضرت عمرؓ کو کسی حدیث کا علم نہ تھا، آپ نے دریافت کیا تو حمل بن مالک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میری ایک باندی نے دوسری باندی پر پتھر مارا، جس سے اس کے شکم میں جو بچہ تھا وہ ساقط ہو گیا، تو آپ ﷺ نے حاملہ کو ایک غلام دیت میں دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اسی مطابق فیصلہ فرمایا ورنہ آپ دوسرا فیصلہ فرمانے والے تھے۔ (بتانے والا ایک ہی تھا۔)

۲۰۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ملک شام جانے کا ارادہ ختم فرما دیا، جہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔

۲۱۔ حضرت عمرؓ کو معلوم نہ تھا کہ مجوسیوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں، تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے یہ حدیث سنائی: کہ مجوسی سے اہل کتاب کا سا برتاؤ کرو، اور یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی ان سے جزیہ لینا شروع کر دیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ ایک راوی کی روایت تب قبول کرتے تھے جب کوئی دوسرا راوی اس کی تائید کرتا تھا تو حضرت عمر تین وجوہات کی وجہ سے شہادت طلب کرتے تھے:

۱۔ احتیاط اور تاکید کے لئے۔

۲۔ جب راوی کے بارے میں معلومات نہ ہوں۔

۳۔ جب راوی عدالت سے متصف نہ ہو۔

اور حضرت عمرؓ نے جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے شہادت طلب کی تھی وہ محض احتیاط اور تاکید کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا تھا کہ ابو موسیٰ! میں آپ کو مہتم نہیں کرتا، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا نہ شروع کردیں۔

اور خود حضرت عمرؓ سے بہت سی ایسی حدیثیں مروی ہیں جن کو آپ نے ایک ہی راوی سے سن کر تسلیم کیا۔

۲۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سے انبیاء کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد حجت ہے، کیوں کہ ایک ہی نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔

۲۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت رفیعہ بنت مالک کو بلایا، انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنے شوہر کے مکان میں ہی عدت گزارنے کا حکم دیا تھا، حضرت عثمان نے صرف ایک عورت کی بات پر اعتماد کیا اور پھر اسی کے مطابق فیصلہ فرمانے لگے۔

۲۴۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ کی یہ بات کہ حائضہ عورت آخری طواف کرنے سے پہلے اپنے وطن لوٹ سکتی ہے محض ایک انصاری عورت کے بتانے پر قبول کی۔

۲۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ کو یہ بات کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ جو موسیٰ تھے وہ وہی تھے جنہیں بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا گیا تھا حضرت ابی ابن کعب نے ہی حضور ﷺ کے واسطہ سے بتائی تھی اور آپ نے اسے قبول کیا۔

۲۶۔ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا، ابن عباسؓ نے اس سے منع کیا، طاؤس نے کہا: میں تو ان کو ترک نہیں کروں گا، حضرت ابن عباس نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''کسی مؤمن مرد وعورت کا حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ صادر کردیں تو کوئی اختیار بھی ان کو باقی رہے''۔

حضرت ابن عباس سمجھتے تھے کہ جب انہوں نے حدیث رسول سنادی تو طاؤس پر حجت قائم ہوگئی، طاؤس نے یہ حدیث صرف ابن عباس سے سنی تھی مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ حدیث صرف آپ سے سنی ہے، اس لئے میں اسے آپ ﷺ کا ارشاد نہیں سمجھتا، ممکن ہے کہ آپ بھول گئے ہوں۔ (طاؤس نے پہلے جو یہ کہا کہ میں تو ترک نہیں کروں گا اس کی وجہ یہ تھی پہلے حضرت ابن عباس نے یونہی منع کیا تھا، بعد میں جب حدیث سنائی تو طاؤس اس سے باز آگئے)

۲۷۔ حضرت ابن عمر بٹائی پر زمین دیتے تھے، رافعؓ بن خدیج نے بتایا کہ آپ ﷺ نے اس سے منع کیا تھا تو آپ صرف ان کے بتانے سے رک گئے۔

۲۸۔ حضرت معاویہؓ نے چاندی یا سونے کا برتن اس سے زیادہ وزن کی چاندی یا سونے کے عوض فروخت کردیا حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس سے منع کیا تھا، حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، صرف اس وجہ سے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک ثقہ راوی (ابودردارء) کی روایت قبول نہ کی حضرت ابودرداءؓ وہ علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔

۲۹۔ ایک شخص نے ابوسعید خدریؓ کی سنائی ہوئی ایک

حدیث کے خلاف کوئی بات کہی تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں تیرے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتا۔

۳۰۔ مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا اور اس سے فائدہ اٹھایا، پھر اس میں مجھے کچھ عیب نظر آیا، میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ غلام بھی واپس کردو اور جو فائدہ اٹھایا ہے وہ بھی واپس کردو۔ میں نے عروہ کو اس فیصلہ سے آگاہ کیا، تو انہوں نے حضرت عمر سے جاکر کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ ’’فائدہ وہی اٹھائے گا جو نقصان کا ذمہ دار ہوگا‘‘ تو آپ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور فرمایا: مخلد سے کہیں کہ فروخت کنندہ سے غلام کی کمائی ہوئی رقم واپس لے لے۔ (صرف ایک راوی کی وجہ سے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔)

۳۱۔ سعد بن ابراہیم نے ایک فیصلہ صادر کیا، ابن ابی ذئب نے بتایا کہ حضور ﷺ کا فیصلہ اس کے خلاف تھا، چنانچہ انہوں نے وہ فیصلہ منگا کر چاک کردیا۔

۳۲۔ ابو شریح کعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: جس کا کوئی آدمی مارا جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے، چاہے دیت لے لے اور چاہے تو قصاص لے لے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو حنیفہ ابن سماک کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ذئب سے پوچھا کہ کیا آپ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں؟ انہوں نے میرے سینے پر زور سے مارا، اور چیخ کر کہا کہ میں تجھے حدیث سناتا ہوں اور تو پوچھتا ہے کہ کیا تم اس پر عمل کرتے ہو، ہاں میں اس پر عمل کرتا ہوں اور مجھ پر اور ہر اس شخص پر جو سنے عمل کرنا فرض ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ چیختے جاتے تھے اور میں چاہ رہا تھا کہ وہ چپ ہوجائیں۔

۳۳۔ امام شافعی نے سلف سے لے کر خلف تک لاتعداد لوگوں کے نام گنوائے ہیں جو سب خبر واحد کو حجت قرار دیتے تھے۔ (جو ڈاکٹر سباعی نے بھی نقل کئے ہیں مگر ہم طوالت کی وجہ سے انہیں چھوڑتے ہیں۔)

۳۴۔ امام صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ خبر واحد کی حجیت پر قدیم و جدید تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے تو اس کی بات غلط نہ ہوگی، مگر میں محتاط الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ:

فقہاء اہل اسلام میں سے میں ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے خبر واحد کو حجت تسلیم نہ کیا ہو، پھر امام صاحب نے لکھا ہے کہ بعض علماء کے بارے میں جو منقول ہے کہ وہ کئی ایک احادیث پر عمل نہیں کرتے تھے تو اس کے کئی اسباب ہیں:

☆۔ اس محدث کے نزدیک کوئی دوسری روایت اس کے خلاف ہوگی۔

☆۔ اس کا راوی حافظ وضابطہ نہ ہوگا۔

☆۔ راوی متہم بالکذب ہوگا۔

☆۔ حدیث میں دو مختلف معنوں کا احتمال ہوگا۔

یہ تو ہو ہی نہیں ہوسکتا کہ کوئی فقیہ ایک حدیث روایت کرے پھر بلا عذر اور تاویل کے اسے ترک کردے، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو وہ اپنے اس عمل پر عذر نہیں پیش کرسکتا۔

(السنة ومكانتها التشريع الاسلامى)

☆☆☆

فقہی مباحث

(قسط-۱)

اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ اور حکمِ شریعت

محمد قمر الزماں ندوی
استاد، مدرسہ نور الاسلام پرتا پگڈھ
جنرل سکریٹری مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی جھارکھنڈ

تمہید

انسانی زندگی کی سلامتی و حفاظت کو اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے، اس کے لئے شریعت میں خصوصی ہدایات و احکامات ہیں۔ مذہب اسلام نے اپنے ماننے والے کو ان چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کو لازم قرار دیا ہے جو انسانی زندگی کے تحفظ میں رکاوٹ اور مانع بنتی ہیں، اور جن سے انسانی زندگی کو ہلاکت و بربادی کا خطرہ اور اندیشہ ہے۔

مذہب اسلام اس سلسلے میں بہت حساس واقع ہوا ہے کہ انسانی جان کی حفاظت کے لئے حالتِ اضطرار میں حرام اشیاء کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت دی گئی ہے، اس سلسلے میں جو قرآنی احکامات ہیں اور احادیث میں جو تفصیلات ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔

حیاتِ انسانی کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ علاج و معالجہ بھی ہے۔ خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے علاج کرانے کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جیسے بیماریاں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوئی ہیں، اسی طرح دوائیں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہیں، لہذا جب بیمار ہو جاؤ تو دوا کا استعمال کرو، احادیث نبویہ سے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنا علاج کرایا ہے، احادیث نبویہ کے ذخیرہ میں طب نبویؐ کا ایک مستقل باب ہے، آپ ﷺ نے کافی وضاحت کے ساتھ روح و جسم کی حفاظت و سلامتی کے لئے نسخہ پیش فرما دیا ہے۔ آج کی ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دنیا اپنی ہزار ترقیات کے باوجود طب نبوی کی محتاج ہے اور طب نبویؐ ہر جگہ یکساں مفید اور نافع ہے۔

میدانِ طب میں حیرت انگیز ترقیاں اور نئے مسائل کا وجود: عہد رفتہ میں عام طور پر نباتات اور جمادات سے علاج کیا جاتا تھا، بعض دوائیں زمین کے اجزاء سے حاصل کی جاتی تھیں جیسے چونا، لوہا، سونا چاندی وغیرہ اور نباتات تو بے شمار ہیں جن کا دوا کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور آج بھی بیشتر دوائیں نباتات سے حاصل کی جاتی ہیں۔

لیکن انسانی زندگی ہر دم رواں دواں ہے، ہر نیا زمانہ اپنے ساتھ نئے مسائل اور نئے حالات لے کر آتا ہے، اور خاص طور پر سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں مشین کی ایجاد کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا ہے، اس سے زندگی کا کوئی گوشہ متاثر

ہوئے بغیر نہیں رہ سکا ہے، اس نے زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور ہر علم و فن میں نئے مسائل پیدا کرکے تحقیق و تفتیش کے نئے میدان کھولے ہیں میدانِ طب و ڈاکٹری اور سرجری و آپریشن میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں جس کے نتیجے میں بے شمار فقہی مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں جن کا صریح حکم قرآن و حدیث یا فقہائے امت کے کلام میں موجود نہیں ہے اور ان کے حکم کو تلاش کرنے کے لئے فقہ اور اصولِ فقہ کی روشنی میں تحقیق و نظر کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹری اور سرجری کی موجودہ ترقیات نے معالجات میں بہت سی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں، ان سے جہاں طبی فوائد حاصل ہوئے ہیں اس کے ساتھ بہت سے شرعی مسائل حلال و حرام کے متعلق پیدا ہو گئے ہیں، مثلاً ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا، ایک کی کھال دوسرے کے بدن پر جمانا، ایک شخص کی آنکھ ناک گردہ وغیرہ دوسرے کے جسم میں پیوست کرکے کام لینا وغیرہ۔

تمام مسائل کا حل شریعت میں موجود ہے : موجودہ سائنسی ترقی سے پہلے انسانی اجزاء سے علاج کا ایک دو صورتوں کو چھوڑ کر تذکرہ نہیں ملتا جیسے کتب فقہ میں عورت کے دودھ کو کان کے درد میں دوا کے طور پر استعمال کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے، لیکن انسانی اعضاء اور دوسرے اجزاء کے ذریعہ علاج تذکرہ نہیں ملتا، انسانی اجزاء میں سے ایک شخص کا خون دوسرے شخص کو چڑھانے کی فقہاء نے ضرورت پڑنے پر اجازت دی ہے لیکن کیا ایک شخص کے عضو کو دوسرے شخص کے جسم میں پیوند کاری کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص اگر اپنے جسم کے اعضاء کو ہبہ یا عطیہ کرنا چاہے تو کیا وہ شخص ایسا کرسکتا ہے؟ انسان کا جسم اور اس کے اعضا کیا انسان کی اپنی ملکیت ہے یا خدا کی امانت؟

یہ وہ سوالات ہیں جس کا زیادہ تر جواب براہ راست قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم، احادیث نبویہ اور شریعت اسلامیہ کا یہ کمال ہے کہ ان کے بتلائے ہوئے اصول اور قواعد میں صحیح غور و فکر سے کام لیا جائے تو ہر نئے سوال اور نئی صورت کا جواب اس میں موجود نظر آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ قرآن وسنت کے علوم کو اسلاف کی تشریح اور توضیح کی روشنی میں سمجھا جائے اور پورے غور و فکر سے کام لیا جائے، اور اس غور وفکر میں خوف خدا اور آخرت کی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ شرعی حدود کے اندر ضرورتوں کا پورا کرنا پیش نظر ہو، محض وقتی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے قرآن وسنت کی نصوص میں کھینچ تان اور تاویلات کے درپے نہ ہو۔

اعضاء و اجزاء انسانی کے عطیہ سے متعلق چند اصولی مسائل: مذکورہ موضوع اور عنوان چونکہ انتہائی حساس ہے اس لئے اس موضوع سے متعلق سوالات کے جوابات سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ آنے والے مسائل اور ان کے جوابات کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

ہر حرام چیز نبی نوع انسان کے لئے مضر ہے : پہلی اصولی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جن چیزوں کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے، اور ان کی حرمت کا

باقاعدہ اعلان واظہار کر دیا ہے، وہ تمام انسانوں کے مفاد کی خاطر اور بڑی حکمت ومصلحت پر مبنی ہے، حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے، اس کا ہر کام حکمت سے پر ہے، اس کا کوئی حکم فضول وبے فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس لئے ایمان والوں کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ جن چیزوں کو قدرت کی طرف سے ہم پر حرام کیا گیا ہے، وہ انسان اور انسانیت کے لئے ضرر رساں ہیں، اور اگر اس میں کوئی نفع محسوس بھی ہو تو اس میں مضرت کا پہلو بہرحال غالب ہے۔ پھر ان میں سے بعض مضرتیں اور نقصانات تو ایسی ہوتی ہیں جو انسان کے جسم کو بیمار یا کمزور کر دیتی ہیں اور بعض مضرتیں اور نقصانات وہ ہیں جن سے جسم کو ظاہری نقصانات اور مضرتیں تو نہیں لاحق ہوتیں مگر وہ روح انسانی کے لئے مضر ہوتی ہیں، اور انسانی اخلاق وکردار پر ان کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔

صفحات کی تنگ دامانی کی وجہ سے ان دونوں قسموں کی مضرتوں کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے جن چیزوں یا کاموں کو حرام قرار دیا ہے وہ صرف انسان کی فلاح وبہبود کی خاطر حرام کیا ہے، یہ چیزیں کبھی اس کے جسم کے لئے مضر ہوتی ہیں، کبھی روح کے لئے اور کبھی دونوں کے لئے۔

انسانی تکریم و تعظیم

دوسری اصولی چیز یہ ہے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک نے زمین وآسمان کی تمام عظیم الشان مخلوقات میں انسان کو تکریم وتعظیم اور فضیلت وشرافت کے اعلیٰ معیار پر فائز فرمایا اور ایک خاص شرف بخشا ہے، ظاہری اور معنوی ہر دو حیثیت سے اس کو تمام کائنات میں اعلیٰ اور ممتاز درجہ دیا ہے۔ ظاہری شکل وصورت میں لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقويم (ترجمہ: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت ڈھانچہ میں ڈھالا ہے) اور علم وادراک اور فہم وبصارت کے اعتبار سے علم الانسان ما لم يعلم (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سکھایا انسان کو وہ علم جس کو وہ نہیں جانتا تھا) اور تمام کائنات اور مخلوقات سے افضل واشرف ہونے اور طغرائے امتیاز حاصل ہونے میں ولقد كرمنا بنی آدم (ترجمہ: ہم نے اولاد آدم کو خاص اعزاز سے بخشا ہے) اسی آدم خاکی یعنی حضرتِ انسان کی شان ہے۔

تکریم انسانیت کے دو پہلو

پھر اگر ہم غور کریں تو تکریم انسانی کے دو پہلو ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اولاد آدم کو زندگی اور آسودگی کی خاطر کائنات کی تمام مخلوقات سے اپنی خدمت اور کام لینے کا حق دیا گیا۔ غور کیجئے بہت سے جانوروں کے دودھ سے لے کر گوشت اور ہڈی وغیرہ سب چیزیں انسان کے لئے مباح کر دی گئیں کہ وہ ان کو اپنی ضرورت پر استعمال کریں۔

انسانی جان کی حفاظت کے لئے احکام ومسائل میں طرح طرح کی آسانیاں پیدا کی گئیں اور انسان کو یہ باور کرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے زحمت اور پریشانی نہیں چاہتا۔ اور خاص اضطراری صورتوں اور حالتوں میں انسانی جان کی حفاظت کے لئے بہت سی حرام چیزوں میں گنجائش دی گئی۔

تکریم انسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان اپنی خوراک اور علاج ودوا کے لئے بے شمار چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ

پیس کراپنے کام لاسکتا ہے۔مگر کسی انسان کے جزاورعضو کے ساتھ یہ معاملہ جائزنہیں، کیوں کہ یہ تکریم انسان کے خلاف ہے، اس کے اجزاء کالین دین، بیع وشراء تمام اشیاء کی طرح جائزنہیں، علاج ودوا کے معاملے میں شریعت اسلام کے تمام أحکام ان ہی دونوں پہلوؤں کی رعایت پر دائر ہیں (مستفاد: جواہرالفقہ جلد دوم۲۴-۲۶)

جسم انسانی اللہ کی مقدس امانت ھے :

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ جسم انسانی اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔انسانی حرمت وکرامت کا تقاضا اور خدائی امانت کا لحاظ اسی میں ہے انسان کسی بھی صورت اپنی جان وجسم کوضائع وبربادنہیں کرسکتا، اورنہ ہی کسی انسان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ناحق کسی انسانی جان کوضائع اور برباد کرے۔اسی لیے اکثر فقہاء نے انسانی اجزاء واعضاء سے انتفاع کوبھی حرام قرار دیا ہے کہ کہیں انسان متاع خرید وفروخت بن جائے یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔کتب فقہ میں کثرت سے ایسی عبارتیں موجود ہیں۔جس کی تفصیلات آگے کے صفحات میں انشاءاللہ تعالیٰ درج کی جائیں گی۔

یہاں یہ بات یادرہے کہ حرمت وکرامت میں زندہ ومردہ دونوں مساوی ہیں اس لئے نہ زندہ انسان کے اعضاء اس مقصد کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں نہ مردہ کے، اس سلسلے میں سب سے واضح روایت یہ حدیث ہے کہ "کسر عظم المیت ککسر عظم الحی" مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس شخص کی ہڈی توڑنا۔(الفتاویٰ الھندیہ ۳۵۴/۵)

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو بہت معظم ومکرم بنایا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت ہے جوانسان کوسپرد کی گئی ہے اسی لئے اس کے ضائع کرنے کی صورت کوسنگین جرم اورسخت حرام قرار دیا ہے اس مقدس امانت کی حفاظت کے لئے بھی بڑے سامان تیار کئے ہیں اور جان بچانے اور تکلیف دور کرنے کے لئے ان کے استعمال کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس کا حکم فرمایا ہے۔

ایک بیمار کے پاس اگرکوئی ایسی دوا یا تدبیر علاج موجود ہے جس کے استعمال سے اس کی جان یقینی طور پر بچ سکتی ہے تو اس کا استعمال ضروری قرار دیا ہے۔حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کی دوا پیدا نہ کی ہو۔تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر خطے اور طبقے کے انسانوں میں جس طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اسی خطہ میں اس کی دوائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔جن موسموں میں خاص امراض رونما ہوتے ہیں انہیں موسموں میں ازالۂ مرض کی غذائیں بھی حق تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں۔شریعت اسلام نے بیماروں کو ہر کام میں سہولت دینے کے لئے ہر عبارت اور ہر کام میں بیماروں کے لئے مستقل احکام وضع فرمادیے ہیں۔نماز جیسی اہم اور لازمی عبادات میں بیمار کے لئے جب وہ کھڑا نہ ہوسکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر اور رکوع سجدہ نہ کرسکے تو اشارہ سے نماز ادا کرنے کی سہولت دے دی ہے۔وضو اور غسل پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو اس کا قائم مقام کردیا ہے۔

انسانی جان کو بچانے کے لئے حالتِ اضطرار میں خاص شرائط کے ساتھ بہت سے وہ کام اور وہ چیزیں اس کے لئے جائز کردی ہیں جو عام حالات میں حرام ہیں۔ کلمہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم و گناہ اسلام میں نہیں ہوسکتا مگر کوئی شخص زبان سے کلمۂ کفر بولنے پر ایسا مجبور کر دیا جائے کہ اگر یہ کلمۂ کفر نہ بولے تو اس کا قتل کر دیا جانا یقینی ہو تو ایسی حالت میں زبان سے کلمۂ کفر بولنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ جبکہ دل اسلام و ایمان پر جما ہوا ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالايمان (سورہ نحل)

جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جاوے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو۔

اسی طرح جو شخص بھوک پیاس سے مر رہا ہو اس کے لئے خاص شرائط اور حدود کے اندر حرام و نجس چیزوں کو استعمال کر کے جان بچالینا جائز بلکہ اس پر لازم کر دیا گیا ہے، ایسی حالت میں شراب، خنزیر، مردار جانور تک کھا کر جان بچانے کے لئے لئے خود قرآن حکیم کا ارشاد ہے، بشرطیکہ اضطراری حالت ہو اور قدرِ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے قرآن حکیم کی آیت ذیل کا یہی مطلب ہے۔

فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه (سورہ بقرہ)

پھر بھی جو شخص بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

وفی آیة اخری: فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم فإن الله غفور رحيم (سورہ مائدہ)

دوسری آیت میں ہے۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جاوے، بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحمت کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات مذکورہ میں جس طرح کی ضرورت اور جن شرائط کے تحت کسی حرام کو مباح قرار دیا ہے وہ خود قرآنی دلالت و ارشارت کی رو سے یہ ہیں:

الف: جان بچانے کے لئے کوئی جائز صورت نہ رہے۔

ب: ناجائز و حرام چیز کے استعمال سے جان بچ جانا یقینی ہو تو اس حالت میں حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں ان شرائط و قیود کی پوری پابندی ضروری ہے۔ جن کے تحت قرآن کریم کا یہ فیصلہ ہے۔ (جواہر الفقہ جلد دوم صفحہ ۲۶-۲۸)

چند فقہی اصطلاحات اور ان کی وضاحت:

وضاحت: اہل مغرب کی طرف سے دباؤ اور ان کی میدان طب میں حیرت انگیز ترقی سے متأثر ہو کر آج عوام الناس بلکہ خواص کا بڑا طبقہ یورپ کی ہر طرح کی طبی سہولیات سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے چاہے شریعت اسلامی کے وہ خلاف ہی کیوں نہ ہو، آج ہر انسان حاجت کو ضرورت کا درجہ اور اضطرار کا مقام دیے جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآنی اصطلاح کے مطابق ان دونوں میں بڑا فرق ہے الفاظ کی تعریفات اور ان کے احکام کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ علامہ حمویؒ نے شرح الاشباہ والنظائر میں بحوالہ فتح القدیر نقل کیا ہے کہ یہاں پانچ درجے ہیں ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول (حموی علی الاشباہ ص ۱۰۸ بحوالہ جواہر الفقہ جلد دوم)

ضرورت: ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز

کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب الموت ہو جائے گا، یہی صورت اضطرار کی ہے اسی حالت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال چند شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے۔

فقہاء اس کو ''ضروری مصالح'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں، یعنی وہ امور جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی موقوف ہے اور جن میں خلل واقع ہونے سے نہ صرف انسان کی دنیوی زندگی فساد اور انتشار کا شکار رہتی ہے، بلکہ آخرت کی زندگی بھی بگڑتی ہے اور ثواب وراحت کی بجائے آدمی عذاب ومصیبت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ضروری مصالح کے ذیل میں پانچ چیزوں کی حفاظت شریعت کا مطمح نظر اور شرعی احکام کا مقصود ومدعا ہے، اور انہیں پانچوں کلیات واصول کی حفاظت سے انسان کی دنیوی زندگی کی سلامتی بھی وابستہ ہے اور آخرت میں فوز وفلاح اور سعادت وکامرانی بھی، اور وہ درجہ بدرجہ اس طرح ہیں۔

(۱) دین کی حفاظت، (۲) جان کی حفاظت، (۳) عقل کی حفاظت، (۴) نسل کی حفاظت، (۵) مال کی حفاظت، (نوٹ) طوالت خوف سے ان کی تشریحات کو چھوڑا جا رہا ہے۔

حاجت: حاجت کے معنی یہ ہیں کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی، یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے۔ اس لئے اس کے واسطے روزے، نماز طہارت وغیرہ کے بہت سے اُحکام میں رعایت اور سہولتیں تو دی گئی ہیں مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوں گی۔

مولانا بدر الحسن قاسمی لکھتے ہیں: شریعت کے مقاصد و مصالح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی سے تنگی اور مشقت کو دور کیا جائے گویا ان مصالح کے تحقق پر دنیوی واخروی زندگی موقوف تو نہیں ہے لیکن دفع حرج ومشقت کے لئے ان کی رعایت ضروری ہے، مثال کے طور پر سفر میں نماز کو قصر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت، اسی طرح رمضان میں مریض اور مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت، یا قیام پر قدرت نہ رکھنے والے شخص کے اس لئے بات کی اجازت کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، وغیرہ اس کو حاجیاتی مصالح سے تعبیر کرتے ہیں۔ (فقہ اسلامی اصول خدمات اور تقاضے صفحہ ۲۹۲)

منفعت: منفعت یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں، جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں، اس حالت کے لئے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے، نہ روزہ کا افطار جائز ہوتا ہے۔ مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہوسکیں تو استعمال کرے اور نہ حاصل ہوسکیں تو صبر کرے۔

زینت جس سے بدن کی کوئی خاص تقویت بھی نہیں محض تفریح اور خواہش ہے، ظاہر ہے اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فضول: وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہوس ہو، اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضول کی مخالفت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ (جواہر الفقہ جلد دوم ۲۸-۲۹)

(جاری)

☆☆☆

تصویر وطن

ہم کبھی کثرت وقلت پر بھروسہ نہیں کرتے

مولانا ندیم احمد انصاری (ممبئی)

گذشتہ دنوں آئی اس رپورٹ نے ہندو انتہا پسندوں کی نیند اُڑا دی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ آئندہ چند دہوں میں مسلمان ملک کی ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کی سب سے بڑی آبادی بن جائیں گے۔انھیں فکر ہونے لگی ہے کہ جن مسلمانوں کو ہم مختلف حربوں سے صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، آخر یہ کیوں کر اتنی بڑی طاقت بن کر ابھریں گے۔ہم نے تو ان کے دانا پانی بند کرنے کی کوشش کی، ان کی مرغوب غذا پر پابندی لگا دی، انھیں فرضی مڈبھیڑوں میں انکاؤنٹر کروادیا، ان کے علاقوں میں دہشت کا ناچ نچوایا، کیا یہ سب بے سود رہے گا؟ اس موقع پر ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ہم مسلمان کبھی کثرت و قلت پر بھروسہ نہیں رکھتے، ورنہ تو جب مسلمان فقط تین سو تیرہ تھے، تو ایک ہزار کے لشکر کے سامنے ڈٹ نہ جاتے۔ہاں آپ اطمینان رکھیں کہ جب ایسا ہوگا، اس وقت بھی ہم آپ کے ٹھکانوں کو نہیں اجاڑیں گے، آپ کے نوجوانوں کو اس طرح انکاؤنٹر کے نام پر بھینٹ نہیں چڑھائیں گے، اس لیے کہ ہم تو دنیا کو امن وآشتی کا پیغام دینے کے لیے آئے ہیں، روٹھوں کو منانے کے لیے آئے ہیں، مصیبت زدوں کو گلے لگانے آئے ہیں۔ہم بدلہ لینے نہیں آئے، ہم ظلم کا بازار گرم کرنے نہیں آئے۔ کیا آپ نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا، اگر نہیں کیا تو اب ضرور کرلیں، آپ کو معلوم ہوجائیگا ہم تو وہ ہیں کہ مکہ کے مشرکین نے ہمیں ظلم واستبداد کے باعث شہر سے نکلنے پر مجبور کیا تو خالی ہاتھ جا کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی اور جب اللہ نے طاقت وقوت سے نوازا اور فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں واپسی کا موقع ملا، اس وقت بھی ہماری زبانوں پر تھا ''آج معافی کا دن ہے، بدلے کا دن نہیں ہے''۔

وشو ہندو پریشد نے ۲۰۵۰ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد ہونے کے تخمینوں کے پس منظر میں ملک میں ''آبادیاتی عدم توازن'' کو

ٹھیک کرنے کے لیے ایک قانون کا مطالبہ کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ وہ مسلمانوں جتنے بچے پیدا کریں۔خدا جانے ان کی نظر میں بچے پیدا کرنا کیا محض ایک انسانی فعل ہےکہ آپ کی جتنی مرضی آئے پیدا کرلو۔ہم تو اس معاملے میں بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کچھ بھی نہیں دیتا۔آپ نے خود ایسے پرفیکٹ کپلس کو دیکھا ہوگا، جو تندرست بھی ہوتے ہیں اور جن میں ظاہری طور پر کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی وہ شادی کے کئی سالوں بعد بھی بچے کی کلکاریوں کو ترس رہے ہیں۔ ایسے بھی نحیف ولاغر میاں بیوی کو بھی آپ نے دیکھا ہوگا، جن کی ناک پکڑو تو دم نکلے لیکن ان کے ہاں اولاد کی کثرت ہے۔ پھر آپ اس بات کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ کون کتنے بچے پیدا کرے؟ سریندر جین کا کہنا ہے کہ ایسا نہ ہونے پر ملک کشمیر، پاکستان یا افغانستان جیسا بن جائے گا، جہاں مسلم اکثریت میں ہیں۔ وشو ہندو پریشد کا یہ تبصرہ ''پیوسرچ سینٹر'' کے ایک بین الاقوامی مطالعہ کے نتیجہ کے بعد آیا، جس میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان ۲۰۵۰ء تک سب سے زیادہ مسلم آبادی والے ملک انڈونیشیا کو بھی پیچھے چھوڑ دے گا۔اس سے پہلے بھی وشو ہندو پریشد کے بین الاقوامی جنرل سکریٹری چمپت رائے نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ ہندوؤں کو ایک سے زیادہ بچے پیدا کرنے چاہئیں تاکہ ہندوستان کی آبادی کی شکل میں ''کوئی عدم توازن'' نہ آئے۔اس سے پہلے بھی بی جے پی کے ممبر آف پارلیمنٹ، ساکشی مہاراج کے ذریعہ ہندو خواتین سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اپیل پر ہنگامہ ہو چکا ہے۔جس پر انگریزی اخبار 'انڈین ایکسپریس' کے مطابق کانپور میں آر ایس ایس سے منسلک تنظیموں کی ایک تقریب میں موہن بھاگوت نے کہا تھا ''ہماری مائیں بچے پیدا کرنے کی مشین نہیں ہیں، کتنے بچے پیدا کرنے ہیں، وہ ان کا نجی فیصلہ ہے۔'' مذکورہ اخبار کے مطابق اس میٹنگ میں موجود لوگوں نے بتایا کہ بھاگوت نے ہندوؤں کے گھٹتے تناسب کا تذکرہ کیا اور اسے قومی سلامتی کے لیے خطرناک بتایا۔اس وقت ہندوستان یا دنیا بھر کے جو بھی حالات ہیں، ہم ان سے قطعاً مایوس نہیں، یہ تو زندگی کی آتے جاتے رنگ ہیں لیکن اس بات سے فکرمند ضرور ہیں کہ مٹھی بھر فرقہ پرستوں نے کس طرح ملک میں آپسی رنجش کو بڑھا دیا ہے۔ چند سالوں پہلے تک جس ملک کے باسی آپس میں پیار ومحبت سے ساتھ ساتھ رہتے اور ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شریک رہتے تھے، ان کے دلوں میں کیسی کدورت پیدا کردی گئی ہے! انسانیت کو کیا ہوگیا ہے کہ جو ان میں سے کسی ایک کے ذہن ودماغ میں ہے وہ جبراً دوسروں پر وہی کچھ تھوپنا چاہتا ہے؟ ہم اس مضمون کے ذریعے قارئین کو اس جانب متوجہ کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے ہم پر کوئی

مصیبت نہیں آتی، مگر وہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔جیسا کہ ہمارے رب نے ارشاد فرمایا ہے:''اے نبی (ﷺ)! آپ فرما دیجیے کہ ہم پر کوئی حادثہ اور مصیبت نہیں آتی، مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر بنایا ہے، وہ اللہ ہمارا مالک ہے اور چاہیے کہ تمام مسلمان اسی پر بھروسہ کریں اور اپنے تمام کام اسی کے سپرد کریں۔''(سورہ توبہ:۱۵)

آپ کو ہماری آبادی بڑھنے سے بھلے ہی خطرہ محسوس ہو رہا ہو،لیکن جب یقینی طور پر ہماری آبادی بڑھ جائے گی، اس وقت بھی ہم کبھی اپنی کثرت پر نظر نہیں رکھیں گے، ان شاء اللہ۔ہمیں تو اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک اخلاقی طاقت کی فراوانی مادی وسائل کے فقدان کی تلافی کردیتی ہے، مگر مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی طاقت کے فقدان کی تلافی نہیں کرسکتی۔اس طاقت کے بغیر محض مادی وسائل کے ساتھ اگر غلبہ نصیب ہو بھی گیا تو ناقص اور عارضی ہوگا، کامل اور پائے دار نہ ہوگا۔ہم اپنے ملک میں ہمیشہ اپنے وطنی بھائیوں کے ساتھ امن وامان کے ساتھ زندگی گذارتے رہے ہیں اور اگر فرقہ پرست اپنی گندی سیاست کی چنگاریوں سے اس محبت کے آشیانے کو جلا کر بھسم نہ کریں، تو ہمیشہ یوں ہی چین وسکون کے ساتھ ہنسی بکھیرتے ہوئے زندگی گذارتے رہیں گے۔ہم سمجھتے ہیں کہ کسی عمارت کا استحکام اس کی ظاہری خوشنمائی سے نہیں ہوتا، نہ مکینوں کی کثرت اور اسباب وآلات کی فراوانی اس کو مضبوط بناتی ہے، حوادث زمانہ کا معاملہ اندرونی حقائق سے آتا ہے، جو کہ عمارت کی بنیادوں سے نبرد آزما ہوتے اور دیواروں کی پختگی کا امتحان لیتے ہیں۔اگر یہ چیزیں مضبوط اور مستحکم ہوں تو زمانے کے حوادث ایسی عمارت سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں اور اگر بالعکس ہو تو حوادث کی ٹکریں آ کر کار اس کو پاش پاش کردیتی ہیں۔

ان سب کے بعد ایک بات ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی کہنا چاہیں گے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو کارساز ٹھہرایا، ان کی مثال ایسی ہے جیسے مکڑی: وہ گھر بناتی ہے حالاں کہ سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔(سورہ عنکبوت:۴۱) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مادی طاقتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان کا اعتماد دراصل ایسی چیزوں پر ہے جو بذات خود کسی قسم کی طاقت وقوت نہیں رکھتی۔ایسے کمزوروں پر اعتماد کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی ویسے ہی کمزور ہوجاتے ہیں جیسے ان کے سہارے ہیں۔وہ اپنے نزدیک جو مستحکم قلعے بناتے ہیں وہ دراصل مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں، ان میں طاقت ہوتی ہینہ قوت۔اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ قادر مطلق رب کائنات پر اعتماد اور بھروسہ رکھیں اور اس اعتماد کو مزید قوی کرنے کی فکر میں لگے رہیں۔

☆☆☆

اسلامی تعلیمات

سود خوری ایک جرم عظیم ہے

❑ حافظ کلیم اللہ عمری مدنی
استاذ و مفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد

اقتصادی اور معاشی نظام کو تباہ و برباد کرنے کا ایک سبب سودی لین دین ہے، قرآن کریم میں سود کی حرمت پر مختلف مقامات میں صراحت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ سود کبیرہ گناہ ہے، ابدی عذاب میں سود خور مبتلا ہوگا، جو شخص اس سے بچنے کی کوشش نہ کرے، توبہ نہ کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ کر رہا ہے ،قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جتنی وعیدیں سودی لین دین پر وارد ہیں کسی اور جرم پر اس طرح کی وعیدیں اور سزائیں ثابت نہیں ہیں، روز قیامت سود خور شیطانی آسیب زدوں کی شکل میں اٹھے گا، سود خواہ کم ہو یا زیادہ گناہ عظیم ہے، کتاب الٰہی میں اللہ تعالی کا پیغام ہے .يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰـهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (سورۃ آل عمران، ۱۳۰.۱۳۱) ترجمہ اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈروتا کہ نجات حاصل کرو۔اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے ۔نیز ارشاد باری ہے، يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰـهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ، ۲۷۸.۲۷۹) ترجمہ، مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو، جتنا سود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کرلو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔

سود کی حرمت و مذمت احادیث شریفہ کی روشنی میں

۱۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کی دستاویز لکھنے والے اور سود کے معاملہ کی گواہی دینے والے ان سب پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ سب معصیت کے ارتکاب میں برابر ہیں، (مسلم، ۳۹۸۱)

۲۔حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے ۳۶ بار زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے، (البیہقی)

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ ایسے تھے جیسے اژدہوں سے بھر پور گھر، اور اژدہے پیٹوں سے باہر بھی دکھائی دیتے تھے، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہیں، (سنن ابن ماجہ، ۲۲۷۳)

۴۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو سود نہ کھائے گا، اور اگر کوئی نہیں کھائے گا تو اس کو اس کا غبار ضرور پہنچے گا، (سنن ابن ماجہ ۲۲۷۸)

۵۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلال حبشیؓ برنی کھجوریں لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو، حضرت بلال حبشی نے جواب دیا کہ کہ میرے پاس کچھ ردی کھجوریں تھیں میں نے ان سے دو صاع فروخت کر کے اس کے عوض ایک صاع نبی کریم کے کھانے کے لئے لی ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو بعینہ سود ہے، ایسا نہ کرو لیکن جب تم خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں فروخت کردو، پھر اس قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو، (مسلم، ۳۹۸۱)

مغرب کا سودی نظام ۔مغرب کا معاشی نظام ایک سودی نظام ہے، جس میں سودی قرضے دیئے اور لیئے جاتے ہیں، اس نظام کی خرابی کو دنیا نے محسوس کی ہے، اور اسلام کی حقانیت کو دل کھول کر تسلیم کیا ہے،

۱۔ بیسویں صدی کا سب سے بڑا فلسفی، سائنسدانوں کا سرخیل، انگریزی ادب میں نوبل پرائز حاصل حاصل کرنے والا لکھتا ہے کہ ارسطو کہتا ہے کہ سب سے قابل نفرت آمدنی سود کی آمدنی ہے،
(Bertrand Russell:A history of western philosophy :187 A clarion book ,1967)

۲۔جرمن ریفارمار مارٹن لوتھر (پراٹسٹنٹ فرقہ کا بانی) اعلان کرتا ہے کہ بڑی بدقسمتی اور مصیبت جو جرمن قوم پر آپڑی ہے وہ یہ ہے کہ سود کا عام رواج ہو گیا ہے۔

۳۔ماہر معاشیات محمود احمد نے اپنی کتاب (بلاسودی بنکاری) میں لکھا ہے کہ جتنی شرح سود کی ہوگی اتنی ہی شرح بے روزگاری کی ہوگی،

۴۔بیسویں صدی کے عظیم مفکر و فلسفی سائنسدان اور نوبل انعام یافتہ ادیب برٹرینڈ رسل نے جدید ماہرین معاشیات اور ان کے مغربی اقتصادی نظام کا دل کھول کر مذاق اڑایا ہے، اور اسے پاگل پن اور تباہ کن قرار دیا ہے۔

۵۔علامہ اقبالؒ نے سود کی تباہ کاریوں سے متعلق فرمایا کہ

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بنکاری و عریانی و مے خواری افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

سودی لین دین معاشرتی نظام کفالت اور اخوت کی ضد ہے، اس سے ایک فرد کا ضمیر، اخلاق اور احساس معاشرے میں اپنے بھائی کے تئیں فاسد ہو جاتا ہے، سود خور کے دل میں عموماً بخل، طمع، خودغرضی جیسے جذبات ہی پروان چڑھتے ہیں، اسی لئے قرآن نے سود خوروں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے، **اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ** (سورۃ البقرۃ، ۲۷۵) ترجمہ، جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

سودی نظام کی مذمت اور حرمت کے بعد اسلام نے معاشرتی نظام کفالت کی طرف توجہ دی، معاشرہ میں ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری اور فلاح و بہبودی کی خاطر ترغیب پر مشتمل آیتیں نازل کی گئیں تا کہ معاشرہ سودی نظامی سے پاک ہو، تکافل اجتماعی کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ قائم ہو، چونکہ انسان کی زندگی ایک ڈگر پر قائم نہیں رہتی۔ حالات میں اُتار چڑھاؤ اور اونچ نیچ زندگی کا ایک حصہ ہے، اور یہ معاملہ ہر ایک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ ناگہانی حالات میں معاشرہ اس کے لیے قوت اور بازو بن جائے، اس کا ہمدرد اور مونس و غم گسار ہو جائے۔ یہ اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور اس کی اس بنیادی ضرورت کو صرف مذہبِ اسلام نے

محسوس کیا۔ اس کے لیے نہ صرف تکافلِ اجتماعی کا تصور دیا، بلکہ باقاعدہ اس کا ایک نظام تعاون باہمی پیش کیا، بھائی چارگی کی عمدہ مثالیں قائم کیں، ضرورت پر تن، من، دھن کی قربانیوں کا سبق دیا، خیر القرون کے لوگوں نے اس پر باقاعدہ عمل بھی کیا۔۔ دین اسلام صرف نظریاتی دین نہیں ہے بلکہ یہ ایک زندہ جاوید عملی مذہب ہے۔ اس کی تعلیم ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ حضرت آدم وحوا کی اولاد ہیں، ایک خاندان اور کنبے کے افراد ہیں۔ ان کے درمیان انسانیت کا رشتہ ہے۔ اس لیے انھیں ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ اور ایک دوسرے کی ضروریات سے واقف ہونا چاہیے، نیز ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔ یہی اسلامی معاشرے کی بنیادی خصوصیت ہے۔

سود کی حرمت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک انسان کا مال بغیر کسی عوض کے لیا جائے، رأس المال بطور قرض دے کر اسی رقم کا عوض نقد زائد لیا جائے، مدت کے بالمقابل راس المال میں اضافہ کیا جائے،

دوسری وجہ یہ ہے کہ سود لوگوں کو کسب وہنر سے روکتا ہے، سرمایہ دار بغیر محنت کے رقم کے عوض فائدہ اٹھاتا ہے، دنیوی کاروبار محنت ومشقت کے بغیر چل نہیں سکتے،

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ سود کی وجہ سے قرض حسنہ کا سلسلہ منقطع ہوتا ہے، لوگ قرض دینے کے ثواب سے محروم ہوجاتے ہیں، خودغرضی، مفاد پرستی، دوسروں کی مجبوری کا غلط فائدہ اٹھانا اور حرص وطمع جیسی بری خصلتیں پیدا ہوتی ہیں،

چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ سودی معاملہ میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں، ا۔ اصل مال میں اضافہ، ۲۔ اضافہ کا تعین مدت کے لحاظ سے، ۳۔ معاملہ میں اس کا مشروط ہونا، جب کہ تجارت میں منافع کا مبادلہ برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے، سودی کاروبار ایک ایسا شراکتی کاروبار ہے جس میں ایک فریق اپنا مال دے کر ایک مقررہ اور مشروط منافع کا شریک بن جاتا ہے،

سودی نظام کے مختلف مفاسد

سودی نظام میں اخلاقی، تمدنی، معاشی اور اجتماعی طور پر بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، سودخوری انسان کو اخلاقی اعتبار سے زوال کے آخری حدود تک پہنچا دیتی ہے، خودغرضی، حرص، بخل، تنگ دلی، سنگ دلی، زر پرستی اور ذاتی مفاد کی خاطر ہر قسم کی رذیل صفات میں مبتلا ہونا وغیرہ سودخور سنگ دل بن جاتا ہے اور اپنے گاہک سے انسانیت کے ساتھ پیش نہیں آسکتا ، خواہ اس کے گھر میں ماتم کی کیفیت ہو یا خوشی کی شہنائیاں بج رہی ہوں، خواہ فقر وفاقہ ہو یا خوشحالی منفی سوچ پیدا ہونے کے ساتھ بدسلوکی کی راہیں ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں، سودخوری کی وجہ سے فیاضی، سخاوت، ہمدردی اور خیر خواہی کے نیک جذبات فنا ہوجاتے ہیں۔

سودی نظام نے افراد ہی نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں کے معاشی اور اقتصادی نظام کو تباہ وبرباد کردیا ہے، وقت نے ثابت کردیا کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت کا نظام تباہ ہوگیا، اسی طرح سودی نظام بھی مکمل تباہ ہوگیا، یہ ایک عالم گیر بلاء عظیم ہے، بلکہ بلائے بے درماں ہے، جس میں دنیا کی عظیم آبادیاں (متوسط اور غریبوں کا بڑا طبقہ) بری طرح پھنسی ہوئی ہیں، اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل سے قاصر ہیں، دوسری طرف سود کی نئی شکلیں وجود میں آتی رہتی ہیں ، جس سے غریب تادم حیات غریب ہی رہتا ہے، سودخور غریبوں کے خون سے اپنا باغ سیراب کرتا ہے، ان کی مجبوریوں سے خوب فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، دوسری طرف ان مجبوروں کی حالت قرضوں کی وجہ سے ناگفتہ بہ حالت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ ہمیں اور دنیا کو سود کے دلدل سے نکالے گا، اسلامی نظام (اسلامی نظام معیشت) کو نعم البدل کے طور پر پوری دنیا میں رائج کرنے کے اسباب میسر فرمائے گا، ایک دن ضرور وہ آئے گا جس میں اسلامی نظام بام عروج پر پہنچ کر ساری دنیا کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

☆☆☆

ذکر معراج

ماہِ رجب اور واقعۂ معراج النبی ﷺ

❑ محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

اسلامی سال کا ساتواں مہینہ رجب المرجب ہے۔ رجب اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے: "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ" (سورۃ التوبہ ۳۶) اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہیں، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ ہیں جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے ہیں۔۔۔ان چار مہینوں کی تحدید قرآن کریم میں نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب۔ معلوم ہوا کہ حدیث نبوی کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ ان چار مہینوں کو اشہر حرم کہا جاتا ہے۔ ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام جو فتنہ وفساد، قتل وغارت گری اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو، سے منع فرمایا گیا ہے، اگرچہ لڑائی جھگڑا سال کے دیگر مہینوں میں بھی حرام ہے، مگر اِن چار مہینوں میں لڑائی جھگڑا کرنے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

رجب کا مہینہ شروع ہونے پر حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ﴾ اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرما اور ماہ رمضان تک ہمیں پہونچا۔ (مسند احمد، بزار، طبرانی، بیہقی) لہذا ماہِ رجب کے شروع ہونے پر ہم یہ دعا یا اس مفہوم پر مشتمل دعا مانگ سکتے ہیں۔ اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک رمضان کی کتنی اہمیت تھی کہ ماہِ رمضان کی عبادت کو حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ رمضان سے دو ماہ قبل دعاؤں کا سلسلہ شروع فرمادیتے تھے۔ ماہِ رجب کو بھی آپ ﷺ کی دعائے برکت حاصل ہوئی، جس سے ماہِ رجب کا کسی حد تک مبارک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ماہِ رجب میں کسی خاص نماز پڑھنے کا یا کسی معین دن کے روزے رکھنے کی خاص فضیلت کا کوئی ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا ہے۔ نماز و روزہ کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہی ہے۔ البتہ رمضان کے پورے ماہ کے روزے رکھنا ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں اور ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی ترغیب احادیث میں موجود ہے۔

ماہ رجب میں نبی اکرم ﷺ نے کوئی عمرہ ادا کیا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء و مؤرخین کی رائے مختلف ہیں۔ البتہ دیگر مہینوں کی طرح ماہ رجب میں بھی عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسلاف سے بھی اس ماہ میں عمرہ ادا کرنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ البتہ رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ میں عمرہ ادا کرنے کی کوئی خاص فضیلت احادیث میں موجود نہیں ہے۔

واقعۂ معراج النبی ﷺ:

اس واقعہ کی تاریخ اور سال کے متعلق، مؤرخین اور اہل سیر کی رائے مختلف ہیں، ان میں سے ایک رائے یہ ہے کہ نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب کو ۵۱ سال ۵ مہینہ کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کو معراج ہوئی، جیسا کہ علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مہر نبوت" میں تحریر فرمایا ہے۔

اسراء کے معنی رات کو لے جانے کے ہیں۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کا سفر جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ میں کیا گیا ہے، اس کو اسراء کہتے ہیں۔ اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے، معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی چڑھنے کے ہیں۔ حدیث میں "عرج بی" یعنی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس لئے اس سفر کا نام معراج ہو گیا۔ اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں بھی ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی﴾ پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آ گیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک، اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔

سورۃ النجم کی آیات ۱۳۔۱۸ میں وضاحت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے (اس موقع پر) بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی، اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی﴾ اور حقیقت یہ ہے انہوں نے اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے۔ اس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہی ہے، اسی کے پاس جنت الماْویٰ ہے، اس وقت اس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ (نبی کی) آنکھ نہ تو چکرائی اور نہ حد سے آگے بڑھی، سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا ہے۔

احادیث متواترہ سے ثابت ہے، یعنی صحابہ، تابعین اور تبع

تابعین کی ایک بڑی تعداد سے معراج کے واقعہ سے متعلق احادیث مروی ہیں۔

انسانی تاریخ کا سب سے لمبا سفر :

قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا، یعنی نبی اکرم ﷺ کا یہ سفر کوئی خواب نہیں تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ مختلف مراحل سے گزر کر اتنا بڑا سفر، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے صرف رات کے ایک حصہ میں مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ جو اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ تو قادر مطلق ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے تو ارادہ کرنے پر چیز کا وجود ہوجاتا ہے۔ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم، مبارک اور بے نظیر معجزہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنانے کا وہ شرف عظیم عطا فرمایا جو نہ کسی انسان کو کبھی حاصل ہوا ہے اور نہ کسی مقرب ترین فرشتے کو۔

واقعۂ معراج کا مقصد:

واقعہ معراج کے مقاصد میں جو سب سے مختصر اور عظیم بات قرآن کریم (سورہ بنی اسرائیل) میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ ﷺ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔۔۔ اس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اپنے حبیب محمد ﷺ کو وہ عظیم الشان مقام ومرتبہ دینا ہے جو کسی بھی بشر حتی کہ کسی مقرب ترین فرشتہ کو نہیں ملا ہے اور نہ ملے گا۔۔۔ نیز اس کے مقاصد میں امت مسلمہ کو یہ پیغام دینا ہے کہ نماز ایسا مہتم بالشان عمل اور عظیم عبادت ہے کہ اس کی فرضیت کا اعلان زمین پر نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں کے اوپر بلند واعلیٰ مقام پر معراج کی رات میں ہوا۔ نیز اس کا حکم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ تک نہیں پہنچا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرضیت نماز کا تحفہ بذات خود اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔ نماز اللہ جلّ شانہ سے تعلق قائم کرنے اور اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو مانگنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ نماز میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مناجات ہوتی ہے۔

واقعۂ معراج کی مختصر تفصیل:

اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا، آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور پھر بجلی کی رفتار سے زیادہ تیز چلنے والی ایک سواری یعنی براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایا تھا، اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی۔ اس پر سوار کر کے حضور اکرم ﷺ کو بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں تمام انبیاء کرام نے حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر آسمانوں کی طرف لے جایا گیا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد البیت المعمور حضور اکرم ﷺ کے سامنے کردیا گیا جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے اللہ کی عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔ پھر آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہی تک لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کے پتے اتنے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں۔ جب سدرۃ المنتہی کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کرسکے۔ سدرۃ المنتہی کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں، دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں۔ حضور اکرم ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق اور نیل مصر میں ہے)۔

نماز کی فرضیت:

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا تھا اور پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر حضور اکرم ﷺ چند مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور نماز کی تخفیف کی درخواست کی۔ ہر مرتبہ پانچ نمازیں معاف کردی گئیں یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر بھی مزید تخفیف کی بات کہی، لیکن اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ تخفیف کا سوال کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور میں اللہ کے اس حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی: "لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ" کہ میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی ہے یعنی میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں۔ غرضیکہ ادا کرنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی ہیں۔

نماز کی فرضیت کے علاوہ دیگر دو انعام:

اس موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے انسان کا رشتہ جوڑنے کا سب سے اہم ذریعہ یعنی نماز کی فرضیت کا تحفہ ملا اور حضور اکرم ﷺ کا اپنی امت کی فکر اور اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے پانچ نماز کی ادائیگی پر پچاس نمازوں کا ثواب دیا جائے گا۔

۱) سورۃ البقرہ کی آخری آیت (آمَنَ الرَّسُولُ سے لے کر آخر تک) عنایت فرمائی گئی۔

۲) اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کے امتیوں کے شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی معافی ممکن ہے یعنی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہیں رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا مل جائے گا، البتہ کافر اور مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

معراج میں دیدار الٰہی:

زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی

تھی، البتہ ہمارے لئے اتنا مان لینا انشاء اللہ کافی ہے کہ یہ واقعہ برحق ہے، یہ واقعہ رات کے صرف ایک حصہ میں ہوا، نیز بیداری کی حالت میں ہوا ہے اور حضور اکرم ﷺ کا یہ ایک بڑا معجزہ ہے۔

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا:

رات کے صرف ایک حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس جانا، انبیاء کرام کی امامت فرمانا، پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا، انبیاء کرام سے ملاقات اور پھر اللہ جل شانہ کی دربار میں حاضری، جنت ودوزخ کو دیکھنا، مکہ مکرمہ تک واپس آنا اور واپسی پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہونا جو ملک شام سے واپس آرہا تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے صبح کو معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ فرمایا ہے۔ اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمانوں سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔ اس کے بعد جب قریش مکہ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ سے بیت المقدس کے احوال دریافت کئے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور اکرم ﷺ کے لئے روشن فرمادیا، اُس وقت آپ ﷺ حطیم میں تشریف فرما تھے۔ قریش مکہ سوال کرتے جارہے تھے اور آپ ﷺ جواب دیتے جارہے تھے۔

سفر معراج کے بعض مشاهدات

اس اہم وعظیم سفر میں آپ ﷺ کو جنت ودوزخ کے مشاہدہ کے ساتھ مختلف گناہگاروں کے احوال بھی دکھائے گئے جن میں سے بعض گناہگاروں کے احوال اس جذبہ سے تحریر کررہا ہوں کہ ان گناہوں سے ہم خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے ناخون تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (ابوداود)

سود خوروں کی بدحالی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر بھی گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے۔ میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح)

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے: آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے، کچل جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہوجاتے تھے جیسے پہلے تھے۔اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا، ختم نہیں ہورہا تھا۔آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ لوگ نماز میں کاہلی کرنے والے ہیں ۔ (انوار السراج فی ذکر الاسراءوالمعراج۔شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

زکاۃ نہ دینے والوں کی بدحالی:

آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ وبیل کی طرح چرتے ہیں اور کانٹے دار وخبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھارہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاۃ ادا نہیں کرتے ہیں۔ (انوار السراج فی ذکر الاسراء والمعراج۔شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگ :

آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھارہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھارہے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں اور صبح تک اسی کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ عورتیں ہیں جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار شخص کے ساتھ رات گزارتی ہیں۔ (انوار السراج فی ذکر الاسراء والمعراج۔شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

سدرۃ المنتھی کیا ھے؟

احادیث میں سدرۃ المنتہیٰ اور السدرۃ المنتھی دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔قرآن کریم میں سدرۃ المنتہیٰ استعمال ہوا ہے۔سدرۃ کے معنی بیر کے ہیں اور منتہی کے معنی انتہا ہونے کی جگہ کے ہیں۔اس درخت کا یہ نام رکھنے کی وجہ صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہی ہوجاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں، یعنی آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔

﴿وضاحت﴾ واقعۂ معراج النبی ﷺ سے متعلق کوئی خاص عبادت ہر سال ہمارے لئے مسنون یا ضروری نہیں ہے۔تاریخ کے اس بے مثال واقعہ کو بیان کرنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اس عظیم الشان واقعہ کی کسی حد تک تفصیلات سے واقف ہوں اور ہم اُن گناہوں سے بچیں جن کے ارتکاب کرنے والوں کا برا انجام نبی اکرم ﷺ نے اس سفر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر امت کو بیان فرمایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔آمین۔

☆☆☆

اسوۂ زندگی

حضرت یوسفؑ کی زندگی کے روشن پہلو

❑ محمد انس فلاحی سنبھلی
(ریسرچ اسکالر) ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڈھ

سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان پر کیا حالات گزرے انہیں سلسلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ، حضرت ابرہیمؑ کے پر پوتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی شخصیت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ حضرت یوسفؑ کو دنیا کے تمام توحیدی مذاہب مقدس اور محترم مانتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی حضرت یوسفؑ کا ذکر پوری ایک سورہ میں ہوا ہے یوسفؑ کا ذکر ایک سورہ میں ہونا بے معنی نہیں ہے بلکہ با مقصد ہے۔ یوسفؑ کی زندگی بچپن سے لے کر آخری مرحلے تک نمونے کی زندگی تھی۔ اللہ تعالٰی نے یوسفؑ کا ذکر کر کے قرآن میں قیامت آنے والے انسانوں کے لئے ان کی زندگی نمونہ کے طور پر رکھ دی ہے۔ یوسفؑ کی زندگی کا لحہ لحہ نصیحت آموز اور حیرت انگیز ہے۔ آیئے حضرت یوسفؑ کی زندگی کے اوراق پڑھیں اور ان سے نصیحت وعبرت حاصل کریں۔

۱۔ حضرت یوسفؑ کا بچپن

یوسفؑ بچپن ہی سے انتہائی شریف اور صالح طبعیت کے مالک تھے۔ عام بچوں کی طرح انہیں کھیل کود سے لگاؤ نہ تھا بچوں کی طرح وہ کسی بات کے لیے ضد نہ کرتے تھے۔ وہ بچپن سے ہی انتہائی سنجیدہ تھے۔ خاموش مزاجی، کم گوئی ان کی عادت تھی، بولتے تو صاف اور نہایت جچے تلے الفاظ بولتے تھے۔ والدین کے حقوق ادا کرنا ان کا خاصہ تھا۔

۲۔ یوسفؑ کا خواب

اللہ تعالٰی نے یوسفؑ کو خواب دکھا کر آگاہ کر دیا تھا۔ کہ تم پر اب ذمہ داری ڈالی جانے والی ہے، تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو، تمہیں تمہارے رب نے عظیم مقصد کیلئے منتخب کیا ہے۔ وہ تمہیں علم وحکمت اور نظام مملکت چلانے کا علم عطا کرے گا۔ تاویل الاحادیث کا مفہوم صرف خواب کی تعبیر بتانا ہی نہیں ہے بلکہ وہ قابلیت وصلاحیت بھی ہے جو نظام حکومت چلانے کیلئے درکار ہوتی ہے باتوں کی تہہ تک پہنچنا اور اشیاء کے حقائق کی معرفت بھی اس میں شامل ہے۔ یوسفؑ کا خواب کوئی معمولی خواب نہ تھا بلکہ وہ با مقصد تھا، انہیں آگاہ کرنے کیلئے تھا کہ اب تمہیں ذمہ دارانہ رول ادا کرنا ہے۔

۳۔بھائیوں کا حسد

حسد ایک انتہائی تباہ کن بیماری ہے جو فرد میں ہو تو اسے آگ کی طرح کھا جاتی ہے ۔اور معاشرے میں پیدا ہو جائے تو اسے دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے ۔یوسف ؑ اپنے بھائیوں کے حسد کا شکار ہوئے ۔ جب حسد زیادہ بڑھا تو وہ انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے ۔لیکن آپس میں نااتفاقی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے ۔ بلکہ یہ طے کیا کہ انہیں کنویں میں ڈال دیا جائے ۔ بالآخر انہیں کنویں میں ڈال دیا جب وہاں سے ایک قافلہ کا گزر ہوا اور وہ پانی کی تلاش میں اس کنویں تک پہنچے اور اور انہیں یوسف ؑ کنویں میں دکھائی دیئے تو قافلے والوں نے ان کو وہاں سے نکال لیا اور مصر کے بازار میں فروخت کر دیا۔

اسی حسد کی بیماری نے ہمارے معاشرے میں مقابلہ آرائی کی فضا پیدا کردی ہے ۔ بالخصوص تعلیمی نظام میں تقابل پسند ذہنیت نے معاشرے پر اور بچوں پر تباہ کن اثرات ڈالے ہیں ۔تقابل پسند ذہنیت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہر بچہ دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے جب یہی بچہ اسکول سے نکل کر معاشرے میں آتا ہے ۔تو معاشرے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی مذموم کوشش کرنا اس کا مقصد ہوتا ہے ۔تعلیم کا مقصد تو یہ ہے کہ بچہ کی صحیح مقصد کیلئے مناسب طریقے سے صحیح ماحول میں تربیت دی جائے ۔لیکن حسد نے اسے اپنی گرفت میں لے کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے!!!۔

٤۔صبر و استقلا ل

یوسف ؑ بچپن ہی سے اپنے بھائیوں کے ظلم وستم کا شکار ہوئے ، انہیں کنویں میں ڈالا گیا، وہاں سے نکلے تو عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے جیل جانا پڑا، آپ ؑ بالکل معصوم اور بے گناہ تھے ۔لیکن آپ نے صبر واستقامت سے کام لیا۔ یوسف ؑ ایک سنجیدہ اور حساس انسان تھے ۔ حضرت یعقوب ؑ کا صبر بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جب یوسف ؑ کے بھائیوں نے یہ آکر کہا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے تو انہوں نے صبر کیا انہیں معلوم تھا کہ ان لوگوں نے ضرور گڑ بڑ کی ہے ۔اسی طرح بنیامین کے بارے میں جب ان لوگوں نے بتایا: کہ اسے بادشاہ مصر نے چوری کے جرم میں گرفتار کر لیا ہے ۔انہوں نے ان کی اس بات پر بھی صبر کیا۔

آج ہمارے معاشرے کی عجیب صورتحال ہے محض شک کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جھگڑا کر لیتے ہیں ۔ بنیاد ہو یہ نہ ہو محض شک کی بنیاد پر انتقامی کا روائیاں کرنے لگتے ہیں ۔ یعقوب ؑ کے اس کردار سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ محض غلط فہمی کی بنیاد پر ہم کوئی قدم نہ اٹھائیں اور حضرت یوسف ؑ کے صبر واستقلال سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہر حال میں صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں۔

آج جو دہشت گردی کے نام پر مسلم نوجوانوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جا رہا ہے انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ وہ سنت یوسفی ؑ زندہ کر رہے ہیں ۔لہذا انہیں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

۵۔مصر میں تعلیم وتر بیت

یوسف ؑ کی تربیت عزیز مصر کے گھر میں اعلیٰ طریقے سے ہوئی ۔ علمی ، فنی ،سیاسی اور جنگی تربیت بھی انہیں دی گئی ۔

یوسفؑ نے مصر میں رائج پورے نظام کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا اور زراعتی تربیت بھی حاصل کی تب ہی انھوں نے مصر کے بادشاہ کو ترکیب بتائی جس کے ذریعے گندم کو لمبے وقت محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں مصر میں ہر طرح کی تعلیم سے مسلح کیا گیا اور اس تعلیم کو روبہ عمل لانے کیلئے عملی مشق بھی کرائی گئی‘‘۔

۶۔حیا و پاکدامنی

یوسفؑ کی زندگی کا یہ پہلو کہ وہ پاکدامن تھے۔ جب زلیخا نے انہیں اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور جب راضی نہ ہوئے تو زبردستی کی اور انہیں دھمکی دی کہ وہ اگر اس بات پر راضی نہ ہوئے تو جیل میں بند کرا دے گی۔ لیکن وہ اس کے بہکاوے میں نہ آئے۔ بالآخر انہوں نے جیل جانا پسند کر لیا۔

عصر حاضر میں دشمنان اسلام مسلم نوجوانوں کو بے حیا اور آوارہ بنانے کیلئے انٹرنیٹ اور فحش لٹریچر کے ذریعہ ہر ممکن طریقے سے ان کے اندر جنسی بحران پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایسی ایسی فحش فلمیں اور تصویریں ڈالی جا رہی ہیں جس کا تصور بھی کرنا عقل سے پرے ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ سنت یوسفیؑ زندہ کریں اور باطل کے ہر حربے کو ناکام کر دیں۔

۷۔سلاخوں کے پیچھے بھی دعوت دھی جاری

حضرت یوسفؑ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑا ہی نصیحت آمیز ہے۔ جب یوسفؑ قید میں تھے آپؑ نے وہاں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا جس مشن کو باہر ادا کر رہے تھے۔ قیدیوں کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے، آپؑ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ دعوت و اصلاح کیلئے وقف کر دیا۔ یوسفؑ کے اس واقعہ میں ان مسلم نوجوانوں کی لئے بڑا ہی سبق ہے جو جیل کی سلاخوں میں دین اسلام کے نام پر بند ہیں۔ انہیں چاہیے کہ جس مشن کی وجہ سے وہ جیل کی سلاخوں میں بند ہوئے ہیں۔ اس مشن کو قید کی حالت میں بھی جاری رکھیں اور یہی عمل سنت یوسفیؑ کا احیاء ہوگا۔

۸۔دین ابرهیمیؑ کی دعوت

حضرت یوسفؑ کی دعوت وہی دعوت تھی جس کے علمبردار ابرھیمؑ تھے۔ جیل میں وہ اپنے ساتھیوں کو نہایت ناصحانہ انداز میں دعوت دیتے کہ اے بھائیو! ہمارے لئے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ ہم اللہ علاوہ کسی اور کو پوجیں، اس کا کوئی شریک مانیں، فرمانروائی اسی کی چلنی چاہیے۔ چونکہ وہی اس کائنات کا خالق اور مالک ہے اسی کیلئے یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنا قانون اس سرزمین پر چلائے۔ قانون سازی کا اختیار صرف اسی کو ہے۔ یہی حضورؐ کی دعوت ہے اور اب امت مسلمہ کو بھی اسی کو لے کر اٹھنا چاہیے۔

۹۔روحانی طریقے سے بادشاہ کی مدد

جب یوسفؑ جیل میں قید تھے۔ بادشاہ وقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب وغریب خواب دکھایا کہ سات فربہ گائیں ہیں انہیں سات نحیف ولاغر گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشیں ہیں اور سات بالکل خشک ہیں۔ یہ خواب دراصل بادشاہ کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دکھایا تھا تاکہ وہ

قبل از وقت انتظام کرلے۔جب کسی حکمراں یا کسی جماعت کے ذمہ دار کے اندر اخلاص اور مقصد سے لگن ہوتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کی غیبی مدد کرتا ہے۔مصر کے بادشاہ کے اندر رعایا کے تعلق سے ہمدردی اور الفت ومحبت کا جذبہ تھا رعایا کی اسے فکر رہتی تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نصرت وتا ئیدکی موجودہ سرکاری حکمرانوں کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور اپنے اندر عوام کے تعلق سے اخلاص پیدا کرنا چاہیے۔اگر وہ ایسا کریں تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت وتائید کرے گا۔

۱۰۔ پوری روئے زمین کی حاکمیت

حضرت یوسفؑ کو جیل سے رہائی کے بعد بادشاہ مصر نے مشیر خاص بننے کیلئے کہا لیکن یوسفؑ نے پوری حکومت چلانے کی ذمہ داری چاہی۔ یہ جان لینا چاہیے کہ خزائن الارض کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ انہیں صرف اور صرف زمینی پیداوار کا مالک بنایا تھا۔بلکہ انہیں پورے نظام مملکت کا ذمہ دار اور عہدیدار بنایا تھا۔

۱۱۔انتقام نہیں عفو درگزر

جب یوسفؑ مصر کے بادشاہ بن گئے اور انہوں نے اپنے بھائیوں اور والدین کو مصر بلا لیا۔ یوسفؑ کے بھائی اپنی کوتاہیوں پر پشیماں ہوئے یوسفؑ چاہتے تو چن چن کر بدلہ لے سکتے تھے لیکن آپؑ نے عفو ودرگزر کا معاملہ کیا۔ نبی کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات کیلئے بدلہ نہیں لیتا ہے۔یہی معاملہ حضورؐ نے بھی مشرکین مکہ کے ساتھ کیا تھا،آپؐ بھی چاہتے تو ایک ایک بات کا بدلہ لے سکتے تھے۔لیکن آپؐ رحم دل تھے اس لئے آپؐ نے سب کو معاف فرمادیا۔ہمارے معاشرے کا عجیب حال ہے جب کوئی شخص اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوتا ہے۔تب بھی لوگ اس سے بدلہ نکالنا چاہتے ہیں۔لہٰذا انہیں ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

۱۲۔ خواب کی تعبیر

خواب کی تعبیر آزمائشوں سے گزرنے کے بعد یہ نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تخت شاہی پر فائز فرمایا اور جب ان کے بھائی شرمندہ ہوئے اور انہوں نے جب یوسفؑ کی ہمدردی اور غمخواری کو دیکھا تو بے اختیار سجدے میں چلے گئے۔ان کی احسان شناسی اور اپنے گناہوں کی ندامت پر سجدہ ان کے بھائیوں نے ہی کیا تھا۔آیت ۹۹ کے ٹکڑے سے بھی اس بات کی صراحت ہورہی ہے کہ انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھا لیا تھا اوران کے بھائی سجدہ میں گر گئے تھے۔ آیت۴ میں انی رایت احدا عشر کوکبا (گیارہ ستارے یعنی ان کے گیارہ بھائی)رایتھم لی سجدین کا تعلق کوکبا سے ہے۔والشمس والقمر (والدین) کو انہوں نے خواب میں ضرور دیکھا تھا لیکن بحالت سجدہ نہیں دوسری بات یہ ہے کہ وہ گنہگار بھی نہ تھے کہ جو اپنے گناہوں پر پشیماں ہونے کی وجہ سے سجدہ میں جاتے اور ابھی یوسفؑ نے ان کے ساتھ کوئی ایسا کام نہ کیا تھا کہ وہ شکر بجالانے کی غرض سے سجدے میں جاتے، آیت ۹۹ کا ٹکڑا بھی اس بات کے ثبوت کیلئے دلیل ہے کہ انہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

زبان و ادب

اردو کی ترقی میں دینی مدارس کا کردار

❑ ڈاکٹر عبید اقبال عاصم

حضرت داغ دہلوی نے

''اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے''

جس زمانے میں کہا تھا اسے ڈیڑھ صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ یہ زبان شباب کی دہلیز پر پوری آب وتاب کے ساتھ ہندوستان (بشمول پاکستان وبنگلہ دیش) کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی تھی۔ اس زبان سے وابستگی کو باعثِ فخر مانا جاتا تھا تو اس کی اصناف سے شناسائی وجہِ افتخار! سرکاری احکامات کی عوام تک رسائی اور عوامی استغاثوں کی فریادرسی کا ذریعہ یہی زبان تھی جو ہماری مادری زبان بھی کہلاتی تھی اور حکومتی کام کاج کا ذریعہ ہونے کے سبب سرکاری بھی، اس کا مترنّم وشیریں لب ولہجہ ہندوستانیوں کے رگ و پے میں پیوست تھا۔ اس کے ترانے گائے جاتے تو سننے والوں کے دل ودماغ میں ایسی اثر انگیزی کرتے کہ پھر وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوجاتے۔ ہندوستان کی آزادی کا حوصلہ اور انگریزوں سے لوہا لینے کا جذبہ جس زبان کے ذریعہ عوام وخواص میں پیدا ہوا اسے متفقہ طور پر اردو زبان کہا جاتا ہے۔

''انقلاب زندہ باد'' کا فلک شگاف نعرہ دینے والی زبان نے رام پرساد بسمل سے پھانسی کے پھندے پر ''سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے = دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے'' کہلوایا تو ہندوستانیوں سے محبت کرنے والوں کے دل ودماغ میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی اور انھوں نے جرأت و ہمت کے ساتھ اُس فرنگی طاقت کو جس کے دورِ اقتدار کا سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو اس انداز سے دیش بدر کیا کہ اگلے پچاس سالوں میں اسے اپنے وطن انگلستان کے علاوہ کہیں جائے پناہ نہ ملی۔

اردو دنیا کی ان مظلوم ترین زبانوں میں ہے جو اپنے پیدائشی گھر میں محض چند عصبیت پسند ایسے افراد کے تعصب کا شکار ہوگئی جو اس کی بڑی بہن سے عشق کے ظاہری دعوے کے باوجود چھوٹی بہن کے ملکۂ حسن ہونے سے خائف تھے۔ رقابت کی یہ آگ چھوٹی بہن کے عین عالم شباب میں

اس وقت لگنی شروع ہوئی تھی جب ایک منظّم سازش کے تحت انگریزوں کے اشارے پر انگریز دشمن بھائیوں کو آپس میں لڑانے کے لیے اکثریتی طبقہ کی ایک جماعت تیار کی گئی تھی جس کے دل میں یہ خوف بٹھا دیا گیا تھا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد اقتدار اس اقلیت کی طرف نہ لوٹ جائے جس نے آٹھ صدیوں تک اس ملک کو ہر عہد میں ایسے حکمرانوں کی بڑی تعداد دی جنھوں نے ہندوستان کو عظیم ملک کے تصور کو عملی شکل دینے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ اسی خوف کی نفسیات سے جنم لینے والے گروہ نے شروع میں تو یہی کوشش کی کہ ملک غیر ملکی حکمرانوں کے ہی تسلط میں رہے لیکن جب آزادیٔ ہند کے متوالے، جوش جنوں سے لبریز محبانِ وطن اپنی تحریک میں کامیاب ہوتے نظر آنے لگے تو ایسے ہی شر پسندوں نے اس قسم کے سازشی تانے بانے بُننے شروع کر دیے جس سے بھائیوں بھائیوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھ گئی اور نتیجتاً ملک تقسیم ہو گیا۔ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا پروانہ باشندگانِ ہند کے ہاتھ میں آیا تو اسی کے ساتھ ساتھ ملک کی تقسیم نے محبّانِ ہند کے سر شرم سے جھکا دیے اور نفرت کی آگ بھڑکانے والے انگریزوں کے امداد یافتہ عناصر نے نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ ان کی تہذیب، ثقافت، اداروں، تحریکوں، تنظیموں پر نشانہ سادھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، حد تو یہ کہ وہ زبان جس کی شیرینی، مٹھاس اور کشش کا اعتراف خود اکثریتی طبقہ بھی کرتا ہے اس کو بھی فرقہ واریت کے زہریلے ناگ نے نہیں بخشا حالانکہ دنیا کی کوئی بھی زبان کسی فرقہ کی رہین نہیں ہے۔ زبان تو بولنے، سمجھنے، لکھنے پڑھنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے روز مرہ کے عوامی استعمال کا نام ہے۔ اور پھر اردو زبان تو ہندوستان میں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی، یہیں پھیلی اور پھولی، ہندو اور مسلمان ہی کیا، دوسرے سبھی فرقوں نے بھی یہاں تک کہ خود انگریز حکومت کے ذریعہ قائم فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ذریعہ اس زبان کی توسیع و اشاعت کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے گئے، وہ تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ اگرچہ آزادی کا سورج طلوع ہونے سے قبل ۱۹۴۶ء میں اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دے دیے جانے سے اس زبان کے بُرے دنوں کی علامات نظر آنے لگی تھیں لیکن آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی اس زبان پر گہن لگ گیا اور وہ اردو کے دل دادہ و شیدائی جو ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء تک اس زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے، جن کی روزی روٹی کا ذریعہ اسی زبان کی تعلیم و تدریس تھی، ان تک نے بھی اپنے تمام رشتے منقطع کر کے اس زبان کو یکّہ و تنہا چھوڑ دیا۔

تقسیم ملک کے سانحہ نے ہندوستان سے محبت کرنے والے ان مسلمانوں کو جنھوں نے شعوری طور پر اس ملک کے ساتھ یگانگت کا اظہار کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا، جنھوں نے اپنے اعزاء و اقرباء کے خونی رشتوں پر اس سرزمین سے محبت کو ترجیح دے کر ہر حالت میں اس ملک میں جینے مرنے کی قسم کھائی تھی، انہیں فرقہ پرستوں کی سازشوں کے سامنے بایں طور سرنگوں ہونا پڑا کہ وہ ان کا کوئی بھی جواب نہ دے کر صمٌّ بکمٌ عمیٌ کی عملی تفسیر بن گئے۔ کم و بیش ایک دہائی اس سکوت میں گذری تو فرقہ پرستی کے برقی رتھ پر

سوار انسان دشمن کہیں سے کہیں جا چکے تھے اورانھوں نے سرکاری سطح پر ہر اس شناخت کو مٹانے میں بھرپور کامیابی حاصل کرلی تھی جس سے مسلمانوں کے مذہبی، تہذیبی، ثقافتی ولسانی رشتے استوار ہوتے ہوں۔ اردوزبان اپنے ہی وطن میں روندی جانے لگی، اس کے دہلی دبستان، لکھنؤ اسکول، شمالی و جنوبی مراکز سبھی پر بپتا آن پڑی چونکہ عصبیت کا عفریت شمالی ہند میں زیادہ طاقت ورتھا اس لیے بطورِ خاص شمالی ہندوستان میں اس زبان سے تعصب ونفرت زیادہ برتا گیا۔ مرکزی وصوبائی حکومتوں نے زبان کو دیس نکالا دینے کا اعلان کرنے والوں کی پس پردہ ہر محاذ پر ہر طرح سے حمایت کی۔ اردو جس ستم وظلم کا شکار ہوئی شاید ہی دنیا کی کوئی دوسری زبان ہوئی ہو۔ حکومت سے وابستہ ملازمتوں، سرکاری کاغذوں، تعلیمی اداروں ہر جگہ سے اردو کو نکالنے کا کام انتہائی سرعت و تیز رفتاری کے ساتھ ہوا۔ ایک دہائی کے بعد وہ حضرات بھی جو اس زبان کے سپاہی کہلاتے تھے اس سے منحرف ہوگئے۔ ان کی نسلیں اس زبان سے بغاوت پر آمادہ ہوگئیں، اس کے اخبارات ورسائل کے لیے حکومتی امداد کے دروازے بند کردیے گئے۔ رسائل وجرائد بند ہوئے تو اس کے اثرات عوام وخواص پر مرتب ہوئے اور دوسروں سے تو کیا شکوہ خود یہ اپنوں کے ظلم وستم کا شکار ہوکر چوتھائی صدی میں ہی دوسروں کی دست نگر ہوگئی۔ ظاہری طور پر یہ محسوس کیا جانے لگا کہ اس زبان کا وجود ہی ختم ہوجائے گا، لیکن ''مرضیِ مولیٰ برہمہ اولیٰ'' کے بہ مصداق جہاں اس زبان کی چاہت میں مبتلا افراد اس قضیہ پر صبر کا مظاہرہ کررہے تھے وہیں دینی مدارس کی اس زبان کے ساتھ عملی وابستگی نے نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ برِّصغیر میں اس کے درخشاں مستقبل کے اشارے دے دیے۔

دینی مدارس جن کی ابتدا عہدِ نبوی ﷺ میں ''صفہ'' سے ہوئی ہے۔ وہ مدینہ منورہ سے کوفہ، بغداد، شام ومصر اور ایران و سمرقند کا سفر کرتے ہوئے ہندوستان میں آغازِ اسلام میں ہی اپنے مسکن کی ابتداء کرچکے تھے۔ عہد بہ عہد ان سے وابستہ تشنگانِ علومِ نبوت نے ہر طور کے عوامی مذاق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس زبان کو افہام وتفہیم کے لیے منتخب کیا جس سے عوام وخواص تک مذہبی احکامات کو اور دینی علوم کو آسانی سے پہونچایا جاسکے، اسی وجہ سے ان مدارس نے اظہارِ خیالات کے لیے کبھی عربی زبان کو ذریعہ بنایا تو کبھی فارسی کو۔ عہد مغلیہ کے زوال کے بعد جب اردو پوری طرح متعارف ہوگئی اور پورے ملک میں بولی وسمجھی جانے لگی تو اہلِ مدارس نے اس زبان کو عوام تک ترسیل پیغامات کا ذریعہ بنایا۔

دینی مدارس کی بنیاد چونکہ اسلامی علوم ہیں جن کا بیش تر ذخیرہ عربی وفارسی زبانوں میں ہے۔ ان زبانوں اور اردو رسم الخط میں اشتراک و یگانگت کے سبب بھی حاملانِ علومِ نبوت کو اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی، بلکہ آسانیاں ہی فراہم ہوئیں۔ الفاظ کی بناوٹ و ساخت، ان کی صحیح ادائیگی ومخارج وغیرہ علمِ تجوید سے شُد بُد ہونے کے باعث طلبائے دینی مدارس کے لیے آبِ حیات ثابت ہوا تو عربی زبان کے قواعد وقوانین نے اردو زبان کو بہت سی نئی راہیں فراہم کیں۔ اردو چونکہ مختلف

زبانوں کے کثیر الاستعمال الفاظ کے مجموعے کا نام ہے،اس زبان کے الفاظ مغل عہدِ حکومت میں یہاں کی سرکاری زبان فارسی کی اور مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی الفاظ کی ایک کثیر تعداد کے مرہونِ منت ہیں۔ان الفاظ کو صحیح بولنے، صحیح لکھنے اور صحیح پڑھنے میں اس وقت تک مہارت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان ذخیرۂ الفاظ سے واقفیت نہ ہو جوان زبانوں کے ذریعہ اردو کا سرمایۂ حیات کہلائے جاتے ہیں۔دینی مدارس کی متاعِ حیات یہی زبانیں ہیں جو اردو رسم الخط سے مشابہت رکھتی ہیں۔

ٹاٹ پر بیٹھے ایک تپائی رکھے ہوئے استاذ کے سامنے زانوئے تلمّذ طے کرنے والے دینی مدارس کے طلباء، طالبانِ علومِ نبوت کہلائے جاتے ہیں، ان کی بنیاد تقویٰ واخلاص پر ہوتی ہے اس لیے ان کا مقصد شہرت وتشہیر نہیں بلکہ ملک وملت کی بے لوث خدمت کرنا ہوتا ہے۔دینی مدارس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ عہدِ نبوی ﷺ سے تاہنوز ان مدارس کا مقصدِ اولین عوام وخواص کو جہالت کی دَلدَل سے نکال کر علم کی پرنور وادیوں میں لے جانا اوران کے اندر توحید ووحدانیت کی جوت جگانا،معرفتِ خداوندی بیدار کرنا اورانھیں مقصدِ حیات سے صحیح طور پر واقف کراکر اخروی زندگی میں سرخ روئی کی کوشش کرکے عوام وخواص کوابدی زندگی میں آرام و آسائش دلانا ہوتا ہے اس لیے وہ جو بھی کام کرتے ہیں رضائے خداوندی کے حصول کی خاطر کرتے ہیں۔

ہندوستان میں علم دین کی ابتدا مسلم حکمرانوں کے ابتدائی عہد میں ہی ہوگئی تھی۔ باقاعدہ مدارس کا اگرچہ کوئی رواج نہیں تھا،لیکن مساجد وخانقاہوں سے یہ کام لیا جاتا۔استاذ اور شاگرد کے رشتے اخلاقی وروحانی طور پر انتہائی مضبوط ہوتے۔دینی علوم کی کتابی تعلیم دینے والے علماء اگر طالب علموں کو ظاہری علوم کے اکتساب پر اکساتے تو مشائخ وکبار صوفیاء جن میں سے بیش تر علماء ہی ہوتے، طالبانِ علومِ نبوت کی روحانی تربیت اور باطنی صفائی وپاکیزگی کا فریضہ انجام دیتے۔اس طریقہ پر علمائے کرام کی جو جمعیۃ وجود میں آتی وہ ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے باعث مخلوقِ خداوندی کی راہ نمائی کرتی اور یہ سب مرجعِ خلائق تصور کیے جاتے۔ بسا اوقات شاہانِ وقت بھی اپنے تخت وتاج پر اس گداگری کو ترجیح دیتے۔تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ علمائے کرام نے شرعی امور کو فوقیت دینے کے باعث اقتدار پر قابض حکمرانوں کے باطل احکامات کو چلنے نہیں دیا اس کے لیے انھیں پابندِ طوق و سلاسل بھی ہونا پڑا اور جانوں کے نذرانے بھی پیش کرنے پڑے جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا لیکن منشائے شریعت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح اتر پردیش میں بھی دینی مدارس وجود میں آئے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد اتر پردیش میں ہی دینی مدارس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو یہ بے جا نہیں ہوگا۔

انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط کے بعد ان کے مظالم کا شکار بطورِ خاص ان دینی مدارس واداروں کو بننا پڑا تھا جن

سے وابستہ علمائے کرام نے کم و بیش ایک صدی تک انگریزوں کو ہندوستان میں چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستان کے ان دینی مدارس کو جہاں مسلمانوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا جاتا تھا دھیرے دھیرے نیست و نابود کر دیا، صوبہ بنگال اور دوسرے صوبوں کے ہزار ہا وہ مدارس جو ایک صدی قبل تک دینِ حق کا درس دیتے تھے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ انفرادی طور پر جو علمائے کرام، عوام وخواص کی دینی و مذہبی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے ان پر ناطقہ بند کر دیا گیا۔ اس بابت علماء کو تشویش ہوئی تو انگریزوں کے مذہبی و تہذیبی اثرات سے تحفظ کی خاطر بہت سے ایسے ادارے وجود میں آئے جو شہرت و تشہیر سے دور خاموش طریقہ سے دینی خدمات انجام دینے لگے، ان میں سرفہرست دارالعلوم دیوبند کا نام آتا ہے جو ۱۸۶۶ء میں جنگ آزادی کے ایک سرخیل مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس تحریکِ حریت سے وابستہ بہت سے دوسرے علمائے کرام کی ایماء اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نیز حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ جیسے درویش صفت ایمان کامل کی روحانی توجہات کے نتیجہ میں گم نام سے چھوٹے سے قصبہ دیوبند کی چھتہ مسجد میں ایک انار کے درخت کے نیچے قائم کیا تھا جس کے پہلے استاذ اور شاگرد دونوں محمود نامی تھے۔ اللہ نے ان مخلصانہ کوششوں کو شرفِ قبولیت بخش کر اس مکتب کو "ام المدارس دارالعلوم دیوبند" کی حیثیت عطا کی۔ اس کو ام المدارس اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے خوں آشام حالات کے بعد مسلمانوں پر جو قیامت گذری اس کے زخموں پر مرہم لگانے کا کام اولین طور پر اسی ادارے نے نہایت خاموشی کے ساتھ منصوبہ بند طریقہ پر انجام دیا۔ دیپ سے دیپ جلے، اس ادارے کے فضلاء اور ان کی روش کو کامیاب ہوتا دیکھ کر دوسرے مکاتب فکر کے دینی اداروں کا جال بچھا جنھوں نے دین کی خدمات اپنے طور پر انجام دینے کے ساتھ ساتھ ملک کے سیاسی، سماجی، ادبی، اقتصادی اداروں کو بھی ترقی و استحکام بخشا، ان قابلِ ذکر دینی مدارس میں جن کے فضلاء نے ملک میں نیک نامی کے چراغ روشن کیے اور مختلف النوع خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، جامعۃ الہدایہ جے پور، مدرسہ حسین بخش دہلی، مدرسہ عبدالرب دہلی، مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، مدرسہ عالیہ، جامعۃ الصالحات و جامع العلوم فرقانیہ رام پور، جامعہ اہل سنت منظر اسلام بریلی، دارالعلوم اہل سنت پیلی بھیت، دارالعلوم اسلامیہ بستی، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، جامعۃ السّلفیہ بنارس، مدرسہ خیرالعلوم ڈومریا گنج وغیرہم جیسے معروف اداروں کے علاوہ آسام، مغربی بنگال، بہار، مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک، اڑیسہ اور اترپردیش کے تمام اضلاع کی ہر اس آبادی میں بشمول قصبات و دیہات جہاں مسلمانوں کی معتد بہ تعداد ہے، دین کے تحفظ اور بقا کی خاطر دردمندانِ اسلام نے دینی مدارس قائم کیے جن کی تعداد دسیوں ہزار سے متجاوز ہے اور جہاں سے نکلنے والے ہزار ہا

فارغین نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی بساط اور صلاحیتوں کے مطابق کارہائے نمایاں انجام دیے، چونکہ ان مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو زبان ہی رہی اس لیے اس زبان کی جتنی حفاظت ان دینی مدارس کے ذریعہ ہوئی اتنی سرکاری ادارے بھی نہیں کر سکے۔

اترپردیش نے دینی مدارس کا جو بورڈ تشکیل کیا اس کا ذریعہ تعلیم تو ضرور اردو رہا لیکن بدقسمتی سے مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر صوبائی حکومت نے اردو ذریعۂ تعلیم کے عصری اداروں کو قائم کرنے کی تمام راہیں مسدود کردیں جس کی وجہ سے اردو کی خدمت کا تمام ترین بار انھیں دینی مدارس یا مدرسہ بورڈ کے ہی کاندھوں پر آن پڑا۔

اردو کے ارتقاء میں ان دینی مدارس نے جو کردار ادا کیا وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، لیکن چونکہ وابستگانِ مدارس کا طرّۂ امتیاز خلوص وللّٰہیت ہوتا ہے وہ شہرت وتشہیر سے اپنے کاموں کو منظر عام پر نہیں لاتے اس لیے بدقسمتی سے طالع آزما خودغرض محبانِ اردو کا لیبل لگانے والوں نے قصداً دینی مدارس کی اردو خدمات کو منظر عام پر آنے نہیں دیا جس سے اس زبان کی جڑوں کو نقصان پہونچا، چونکہ جھوٹی شہرت کے طلب گار، اعزاز واقتدار کے بھکاریوں کی نظر صرف چند ٹکوں یا کرسیوں کے حصول تک محدود تھی اس لیے نہ تو وہ اس زبان کی خدمت خود کر سکے اور نہ ہی کسی انجانے خوف کے سبب دینی مدارس کی ان خدمات کو منظر عام پر لا سکے جو اس زبان کے ارتقاء کے لیے وہاں انجام دی جارہی ہیں۔

یوں تو ہر مکتبِ فکر کے سینکڑوں قابلِ قدر دینی اداروں کے ہزار ہا فضلاء نے اردو زبان وادب کی مختلف اصناف کو اپنے خونِ جگر سے سینچا جن کو اردو ادب کے دوکانداروں نے قابلِ اعتناء نہیں سمجھا اور تو اور امّ المدارس دارالعلوم دیوبند جس کے فضلاء نے نثر ونظم کے ہر ہر میدان کو اپنی فطری صلاحیتوں سے پروان چڑھایا ان کو بھی باستثنائے چند انفرادی تذکرہ کے علاوہ خادمانِ اردو، ومحبانِ اردو کا لیبل لگانے والوں نے قابلِ ذکر قرار نہیں دیا۔ اس موقع پر دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل، موجودہ اردو ادب کے عظیم افسانہ نگار و نقاد حقانی القاسمی کا یہ اقتباس قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ:

''اردو کی اساس میں دیوبند کا لہو بھی شامل ہے مگر المیہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں لہو کی نہیں صرف لہوولعب کی قیمت رہ گئی ہے۔

ریاضت کرنے والوں کو حاشیے میں بھی جگہ نہیں ملتی جب کہ ملاعبت کرنے والے متن میں اعلیٰ مقام اور تاریخ ادبیات اردو میں مفتخر مقام پاتے ہیں۔ اردو ایسی بہت سی انصافیوں اور بددیانتوں کی گواہ ہے۔

اردو زبان کے لسانی اور فکری سرمائے میں جو اضافے اربابِ مدارس نے کیے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں مگر اس کے باوجود اردو کی تاریخ میں دلی، لکھنؤ جیسے دبستانوں کا ذکر تو ملتا ہے مگر دیوبند کا ذکر شامل نہیں ہوتا، جب کہ اردو زبان و ادب کے فروغ اور ارتقاء میں بنیادی اور اہم کردار دیوبند، ندوہ، ندوۃ المصنفین اور دارالمصنفین جیسے اداروں کا رہا ہے، صرف برِّصغیر نہیں بلکہ بیرونِ ممالک میں بھی ان اداروں

کے فیض یافتہ فضلائے کرام نے اردو کی شمع کو جلائے رکھا اور ان منطقوں کو بھی اردو سے روشناس کیا جولسانی، تہذیبی امتیاز سے اردو سے کلی طور پر مختلف ہیں۔"

(ماخوذ از: دارالعلوم دیوبند، ادبی شناخت نامہ، حقانی القاسمی، مطبوعہ تنظیم علمائے حق، ۲۰۰۶ء، ص ۴۶-۴۷)

دینی مدارس سے سند یافتہ علمائے کرام نے اردو کو ذریعۂ تعلیم وتعلّم بنا کر اردو زبان وادب کی جو خدمت انجام دی یا موجودہ زمانے میں دے رہے ہیں۔ ان کے صرف ناموں پر اکتفا کیا جائے تب بھی ان کو محدود صفحات میں سمویا نہیں جاسکتا۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر صرف دیوبندی مکتبِ فکر کے دینی مدارس کی بات کی جائے تو ان دینی مدارس کی تعداد ہزاروں میں ہے جن سے ہر سال ہزار ہا افراد میدانِ عمل میں اردو کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بانیِ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لے کر تا ہنوز دیوبندی مکتبِ فکر کے مانند دوسرے مکاتبِ فکر کے فضلاء کا سلسلہ بھی ایک سلسلۃ الذہب ہے جس نے اردو زبان کے ارتقاء اور نشو ونما میں بیش قیمت خدمات انجام دیں اور الحمدللہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے، حالانکہ وقت اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن صرف دارالعلوم دیوبند کے خوشہ چینوں میں بانیِ درس گاہ کی اردو شاعری کے علاوہ مختصر مگر جامع تحریریں 'دریا کو کوزہ میں بند کرنے' کے مترادف اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں تو ان کے شاگرد مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ترجمۂ قرآن نے اگر ایک طرف قرآن کو عام فہم بنانے میں مدد کی تو دوسری طرف ان کی سیاسی تحریریں اردو ادب کا حسین ترین مرقع اور ان پر ان کی شاعرانہ کوششیں مستزاد، شیخ الہند کے مایہ ناز شاگرد علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریریں، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریریں، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ذکاوت پر مبنی علومِ نقلیہ کی تشریحات، مولانا حسین احمد مدنی کی فراست پر مبنی خودنوشت "حیات شیخ الاسلام"، علامہ انور شاہ کے تلامذہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، علامہ تاجور نجیب آبادی، مولانا عبدالوحید صدیقی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا منت اللہ رحمانی، قاضی زین العابدین، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ جیسے ہزار ہا ایسے نام ہیں جنھوں نے اردو شاعری، اردو صحافت، اردو تنقید اور اردو ادب کی مختلف اصناف کے ارتقاء وفروغ میں اہم کردار ادا کیا اور چراغ سے چراغ جلنے کے مانند الحمدللہ یہ کام تسلسل کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے۔

ان دینی مدارس کو ہم اگر حفاظتِ اسلام وتحفظِ اردو کی ایک زندہ تحریک کہیں تو بے جا نہیں ہوگا کیونکہ انھیں دینی مدارس سے امت کو بہترین داعی، باصلاحیت قائدین، مخلص رہنمایانِ جماعت، دنداں شکن مناظر، صاحب تحقیق قلم کار، ادباء، شعراء، صحافی، نقاد ملے ہیں جنھوں نے اپنی فطری وگوناگوں صلاحیتوں سے مذہبِ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ بھی انجام دیا اور اردو زبان کو ذریعۂ تفہیم بنا کر اس زبان کو زندہ وجاوید رکھنے کی ذمہ داری کو بھی بحسن وخوبی ادا کیا۔ آج اردو زبان ان ہی دینی مدارس کے وجود سے اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے،

دشمنانِ اردو نے معیشت و معاش سے رشتہ کاٹ کر جس طریقہ پر اس زبان کو بے دست و پا کردیا تھا اگر دینی مدارس نہ ہوتے تو یہ کبھی کی ختم ہوچکی ہوتی۔اردو زبان کو معیشت سے وابستہ رکھنے میں بھی اس کے فضلاء کی گراں قدر خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ملک میں ہزار ہا ایسے مطابع ہیں جوان مدارس میں پڑھائی جانے والی علومِ متداولہ کی اردو شروحات ، تراجم، تفاسیر کو چھاپنے اور انھیں عوام وخواص تک پہونچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ان مکتبوں میں کام کرنے والے ہزار ہا افراد اس زبان کی ترویج واشاعت کے سبب معاش سے وابستہ ہیں۔اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت کا ذریعہ مانے جانے والے اخبارات ورسائل بھی اسی زبان کے رہینِ منت ہیں، دینی مدارس میں طلبائے عزیز کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے دیواری پرچوں کا چلن ان کے افکار وآراء ونظریات کو ایک نئے انداز سے پیش کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔اس کا رواج تقریباً تمام دینی مدارس میں بالعموم پایا جاتا ہے۔بہت سے طلباء کی صحافتی صلاحیتیں بھی یہیں سے اجاگر ہونا شروع ہوتی ہیں۔نت نئے مضامین لکھنے سے ان کی فطری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے اور وہ تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد کسی نہ کسی اخبار یا جریدہ سے وابستہ ہوکر عوام وخواص کی فکری رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔سینکڑوں رسائل تو ان مدارس سے ہی شائع ہوتے ہیں جو اپنے ادارے کے تعارف کے ساتھ ساتھ دینی مسائل،عصری موضوعات،سیاسی وسماجی حالات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ادب کے مختلف گوشوں پر اپنے قارئین کے ذوق کی تسکین کرتے ہیں۔

الغرض اردو نثر ونظم کی کوئی بھی صنف ہو آج ہر میدان میں اردو کو استحکام وتقویت کا خام مال یہی دینی مدارس فراہم کررہے ہیں۔استحصال کرنے والے حضرات اسی خام مال پر اپنے اداروں کا لیبل لگا کر اپنی تشہیری تجارت کو فروغ دیتے ہیں اور یہ مخلصان امت کسی بھی درجہ کی پذیرائی قبول کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔اس صورتِ حال سے سب سے زیادہ نقصان اردو زبان وادب کا ہورہا ہے۔اس صورتِ حال کو بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ سرکاری سطح پر ایسی کمیٹیاں معرضِ وجود میں آئیں جو سنجیدگی کے ساتھ اربابِ مدارس کی اردو خدمات کا جائزہ لینے کے لیے مختص ہوں۔دینی مدارس کی ان خدمات کو بہر طور سراہنے کی ضرورت ہے جو وہ اردو زبان کے ارتقاء کے لیے مسلسل انجام دے رہے ہیں۔اردو زبان وادب کے زرّیں و درخشاں مستقبل کی کوششوں کو اسوقت تک بروئے کار نہیں لایا جاسکتا جب تک کہ صدق دلی کے ساتھ اردو سے محبت کا دم بھرنے والے عصری اداروں کے افراد دینی مدارس سے وابستہ افراد کی طرح اس زبان کو اپنے گھروں میں داخل نہ کرلیں۔موجودہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی تہذیبی و مذہبی شناخت کے تحفظ کی خاطر دینی مدارس اور اردو دونوں کی ہی حفاظت اور ارتقاء کے لیے کمربستہ ہوکر سنجیدہ کوشش کریں۔

☆☆☆

تبصرہ

تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نام کتاب: صید القلم

نام مصنف: مولانا محمد نعمان الدین ندوی

صفحات: ۸۸۰

قیمت: درج نہیں

ناشر: موسسۃ الہدایۃ للدراسات والبحوث الاسلامیہ

ملنے کے پتے: موسسۃ الہدایۃ جے پور، مکتبہ ندویہ لکھنؤ، اور دیگر مشہور مکتبے

زیر نظر کتاب کا نام غالبا ہماری روشن تاریخ کے مشہور مصنف وعالم ابن الجوزیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے تتبع میں ''صید الخاطر'' کی جگہ ''صید القلم'' اختیار کیا گیا ہے، اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیوں کہ مصنف محترم کے رشحات قلم، اسلوب بیان اور فکر کی متانت و سنجیدگی کو دیکھ کر صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اسلوب قلم کا خمیر مشہور ترین عرب اہل قلم کی تحریروں سے اٹھا ہے جس طرح ان کی فکری اساس خالص فکر اسلامی پر ہے۔

یہ کتاب مجموعہ ہے معروف صاحب قلم، پختہ کار بلکہ خالص عربی اسلوب وآہنگ کے حامل عربی کے مشہور ادیب مولانا محمد نعمان الدین ندوی کے مقالات ومضامین کا، مصنف نے اس میں اپنے تیس سالہ قلمی سفر کے منتخب مقالات، علمی بحوث، ادبی مضامین، اداریے اور تاثرات جمع کر دیے ہیں، ان میں سے اکثر حیدرآباد سے ان ہی کی ادارت میں نکلنے والے مشہور عربی مجلّہ ''الصحوۃ الاسلامیہ'' میں شائع ہو چکے ہیں، مصنف کی اس سے قبل بھی کئی کتابیں ملک وبیرون ملک سے شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان سب کا تعلق فکر اسلامی اور عربی زبان وادب سے ہے۔

یہ پورا مجموعہ فکر اسلامی کا حامل، امانتِ قلم کے احساس کا امین، علم وادب کی خوبصورت آمیزش کا آئینہ دار، عربی کے خالص ادبی اسلوب کا عکاس اور جہد مسلسل کا غماز ہے، اس کے ہر صفحہ میں رعنائی ہے، ہر مضمون میں دلکشی ہے، ہر پیراگراف میں عربیت و ادبیت کی جھلک ہے، نامانوس الفاظ اور تراکیب کی تعقید اس میں نہ ہونے کے برابر ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف محترم نے ہندوستان میں رہ کر بھی عربی کے معروف ادیبوں کا کامیاب تتبع کیا ہے اور اس طرح عربیت ان کے ذوق کا حصہ بن گئی ہے، عربی زبان وادب کی بے لوث خدمت سے ان کو عشق ہے بلکہ یہ کہیے کہ یہی ان کا کل سرمایہ حیات بلکہ کل کائنات ہے، اور شاید یہی سبب ہے کہ آج برصغیر کے عربی لکھنے والے چند ایسے اہل قلم میں ان کا شمار ہے جن کی تحریر واقعی حقیقی (Original) ہوتی ہے، بلکہ اپنی نظر کے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے مجھ کو وہ برصغیر میں عربی کے موجودہ انشاء پردازوں کی صف میں سرفہرست رہنے والوں میں شامل نظر آتے ہیں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں اس کا تعلق تحریروں کو نقد کی کسوٹی اور نافعیت کے معیار پر پرکھنے سے ہے، جس کا دل چاہے وہ زندہ تحریروں سے تقابل کر کے دیکھ لے۔

اس بیش قیمت مجموعہ میں کتاب وسنت کے مباحث بھی ہیں، صحابہ کرام کی عطر بیز سیرت کی جھلکیاں بھی،علم وادب کے انوار بھی ہیں اورمنہج اسلامی کی تعبیر وتشریح بھی،عربی زبان وادب کی شمعیں بھی ہیں اور اصلاح وتربیت پر اظہار خیال بھی، قیادت وسیادت کا محاسبہ وتجزیہ بھی ہے اورامت کے حال پر قلم سے ٹپکنے والے فرح والم کے آنسو بھی، جذبات کی انگڑائیاں، خیالات کی رعنائیاں، احساسات کا درداور قیمتی آراء ومشورے بھی اس مجموعہ کا حصہ ہیں،بعض شخصیات کے لئے اچھوتے انداز میں لکھے گئے خیر مقدمی مضامین یا سپاسنامے بھی اس میں شامل ہیں، ان مضامین میں عربیت کا رنگ خالص ہے مگر قدرے مبالغہ آمیزی ہے،البتہ ان تحریروں میں ایک ''مقامہ'' ہے جوقدیم ادب عربی کا ایک طرز تحریر اور نثر کی ایک صنف تھی، نامانوس الفاظ کا استعمال کیے بغیر عہد جدید میں اس متروک نثری صنف کا تتبع بھی لاجواب ہے، قابل ذکر یہ ہے کہ ''مقامات'' میں زائدو بے معنی الفاظ کی بھر مار ہوا کرتی تھی مگر مصنف موصوف کے مقامہ میں شاید یہ عیب کسی حد تک موجود نہیں یا ممکن ہے کہ مجھے ہی نظر نہ آیا۔اس کے علاوہ اس کتاب میں عالم اسلام کی بے بسی کے تذکرے بھی ہیں اور وہاں ڈھائے جانے والے ظلم پر ماتم بھی، حکمرانوں کی بے حسی کی تصویر بھی ہے اورعوام کے جذبہ و جرأت کی تعریف بھی، وہاں سے اٹھنے والے شعلوں کی روشنی بھی ہے اورفلسطین کی مظلوم قوم و مظلوم تاریخ بھی ہے، چند موضوعاتی اور تقابلی تجزیے اور تبصرے ہیں، جن کی بنیاد حال پر بھی ہے اورنتائج پر بھی، کردار و نافعیت بھی ان تجزیاتی مضامین کا محور ہے، چند مشہور کتابوں پر تعلیق وتاثرات کو بھی اس مجموعہ کا حصہ بنایا گیا ہے۔

بالفاظ دیگر یہ مجموعہ مقالات و مضامین ایسا خوبصورت و پرکشش گلدستہ ہے جو گویا کسی باذوق باغباں کی عمر بھر کی کمائی ہو، جسے اس نے بڑی جفاکشی کے ساتھ چن چن کے سجایا ہو، اسلوب کی پختگی، بلاغت شناسی اور لفظیات کا برمحل استعمال اس کے خوبصورت پھول ہیں، فکر کی حرارت اورقوم کو زندہ دیکھنے کی تڑپ اس کی روح ہے، خالص عربی وادبی ذوق اس کے گلدستہ رعنا ہونے کا سبب ہے،

ایسا کیوں نہ ہو؟؟ مصنف نے ندوۃ العلماء کی طالب علم میں اپنا وقت ضائع نہ کیا، انہیں ایسے اصحاب قلم کی شاگردی میسر آئی جن کے عربی قلم نے ادباء عرب کو بھی حیرت زدہ کیا اورنظرانداز کرنے والوں کے دلوں پر بھی دستک دی، پھرانہوں نے ساتھ بھی کچھ ہونہار لوگوں کا پایا، مدینہ منورہ میں زمانہ تعلیم کے قیام نے ذوق طلب کو اورنکھار دیا، اس طرح انہوں نے عربی زبان وادب اورفکر اسلامی کی ترویج واشاعت کو اپنا وظیفہ زندگی بنالیا، اگر یہ کہا جائے تو شاید بے محل نہ ہو کہ اس فیضان کرم میں بعداز رب العالمین ان کے والد بزرگوار صاحب علم وفضل مولانا محمد برہان الدین سنبھلی حفظہ اللہ کا بڑا حصہ ہے،مولانا محترم علمی وعملی دونوں میدانوں میں اصولوں کے پابند اور تبحر علمی ونکتہ آفرینی میں متقدمین کی یادگار ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ مجموعہ عربی ادب کے مکتبہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے، اہل قلم اور اصحاب ذوق کو بڑی شان سے اس کا استقبال کرنا چاہیے،عربی کے طالب علموں کو نمونہ کتابت سمجھ کر اسے حرز جاں بنانا چاہیے اوراس کی روشنی میں یا اس سے حوصلہ پاکر ندوۃ العلماء کی عطا کردہ ادبی سوغات اورعربی ذوق کو عام کرنا چاہیے اوراس تحریک میں ایک نئی زندگی پیدا کرنا چاہیے۔

☆☆☆

آخری صفحہ

آخروہ شخصیت کیسی رہی ہوگی؟

(م-ق-ن)

خاکسار راقم الحروف کوقرآن مجید، احادیث نبویہ اورعلوم فقہ کے بعدسب سے زیادہ جس فن سے دلچسپی ہے وہ سیرت وسوانح ہے۔تفسیر وحدیث اورفقہ اسلامی کے مطالعہ میں وقت صرف کرنا اوران کتابوں کےاوراق کو پلٹنا عالم کی شان ہی نہیں ان کا فرض منصبی ہےلیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت وسوانح کا مطالعہ اور خاص کر سیرت نبویؐ کا مطالعہ میری نظر میں کردار سازی اور شخصیت سازی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا مچھلی کے لئے پانی اورانسان کے لئے آب ودانا،اس لئے احقر کے مطالعہ کی میز پر اس فن (سیرت وسوانح) کی کتابیں (علوم شرعیہ کو چھوڑ کر) اکثر بیشتر مطالعہ کے لئے رکھی رہتی ہیں،ان ہی کتابوں کی مدد سے راقم نے ’’انسانی عظمت کے تابندہ نقوش‘‘ کئی جلدوں میں مرتب کیا ہے جس کی پہلی جلد شائع ہوچکی ہے،اور جس کو عوام وخواص دونوں نے پسند کیااور قدر کی نگاہ سے دیکھا۔مذکورہ کتاب میں ’’دعوتِ دین اُہمیت اور تقاضے‘‘ نامی کتاب کے حوالے سے پکھتال صاحب کےقبولِ اسلام کاواقعہ احقر نے لکھا ہے جس میں ہم سب کے لئے درس عبرت ہے۔ہم قارئین کے لئے آخری صفحہ’’کالم‘‘ کےتحت اس واقعہ کوپیش کررہے ہیں اس امید کہ ساتھ کے خدا ہماری ذات اور وجود کوبھی ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔

پکھتال صاحب قرآنِ مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے والے پہلے مسلمان ہیں، اس سے پہلے جتنے تراجم ہوئے غیر مسلموں نے کئے تھے۔ملازمت کے سلسلے میں ایک عرب ملک کے دورے پر گئے تھے۔ایک دن اپنے گھر کے بالا خانے میں بیٹھے ہوئے تھے، شام کا وقت تھا، ایک نوجوان بکریاں چرارہا تھا۔ایک کمزور بوڑھا اس کے پاس آیا، پہلےتو دانٹنے ڈپٹنے لگا، پھر مارنے پیٹنے لگا، وہ نوجوان مضبوط اور طاقتور تھا،خاموش کھڑا تھا۔پکھتال صاحب کو یہ منظر عجیب لگا، وہ ان کے پاس جا کر معاملے کی حقیقت جاننے لگے۔نوجوان نے کہا کہ میں ان بڑے میاں کا مقروض ہوں،قرض لیا تھا، وقت پر ادائیگی نہ کرسکا، ہمارے نبی ﷺ کی تعلیم ہے،قرض لوتو وقت پر ادا کرو، یہ میری کوتاہی ہے، میرا گناہ ہے،قرض دینے والےکوحق ہے کہ وہ مجھ سے جواب طلب کرے۔ میں ان کا جواب مار پیٹ کے ذریعہ دیتا تو یہ دوسرا گناہ ہوتا، اور یہ میں کرنے کے لئے تیار نہیں۔پکھتال صاحب سکتے ہیں آگئے، انگشت بدنداں رہ گئے اور حیرت بداماں ہوگئے،صدیوں پہلے گذرے ہوئے نبی کا یہ اثر ایک چرواہے کے اندر اس قدر اور اس درجے موجود ہےتو’’آخروہ شخصیت کیسی رہی ہوگی‘‘؟

ذہن اس طرف گیا، پھر سیرت رسول کا،قرآن کا مطالعہ کیا اور اسلام قبول کرلیا، اسلام قبول کرنے کے بعد عربی زبان سیکھی،عبور حاصل کیا اور پھر قرآنِ مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جسے پڑھ کر بہت سےلوگوں نے اسلام قبول کیا۔اس کا جواجر ہے وہ پکھتال صاحب کوضرور ملے گا،مگر کیا صرف انہیں کو ملے گایااس چرواہے کوبھی جس کے کردار سے متأثر ہوکر انہوں نے اسلام قبول کیا؟

☆☆☆